تنقید متین

بر

تفسیر نعیم الدین

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

میری نگاہِ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں ... اپنی نگاہِ شوخ کی کچھ بھی خبر نہیں

تنقید متین

بر

تفسیر نعیم الدین

اس کتاب میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے ترجمۂ قرآن کریم اور ان کے مایۂ ناز شاگرد مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی تفسیر پر باحوالہ اور ٹھوس دلائل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے اور روشن براہین کے ساتھ یہ بات واشگاف کی گئی ہے کہ اس ترجمہ اور تفسیر میں ایسی ایسی باتیں بھی کہی گئی ہیں جو روحِ اسلام کے سراسر خلاف ہیں اور خود قرآن کریم اور صاحبِ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے بیزار ہیں اور ان میں ایسی باتیں بھی ہیں جو امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہیں اور فقہاء اسلام اور علی الخصوص فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم ان سے سخت نالاں ہیں۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

ابوالزاہد محمد سرفراز

گیارھواں ایڈیشن.........فروری ۲۰۱۰ء

نام کتاب.......... تنقید متین

تالیف..........شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ

مطبع.......... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد.......... ایک ہزار

قیمت.......... ۸۵/- (پچاسی روپے)

ناشر.......... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان
☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ
☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال
☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گکھڑ
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

☆ ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

فہرست مضامین

پیش لفظ

مُبَسْمِلاً وَمُحَمِّدِلاً وَمُصَلِّیاً وَمُسَلِّماً۔ امابعد

ہمارے ایک محترم بزرگ اور مکرم استاد مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جن کی علمی شہرت اور فقہی کمال پاک و ہند کے علاوہ ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ راقم اثیم کو یہ تلقین فرمائی اور اس امر کی طرف خصوصی توجہ دلائی کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) نے قرآن پاک کا جو ترجمہ لکھا ہے، اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے، بہت سے اہل علم سے سنا ہے کہ انہوں نے ترجمہ میں بعض مقامات پر خالص سینہ زوری اور تحریف کی ہے اور علاوہ ازیں ان کے مایہ ناز شاگرد مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی، (المتوفی ۱۳۶۷ھ) نے اس کا جو مفصل حاشیہ لکھا ہے (ان دونوں کو تاج کمپنی لاہور نے اپنی شاندار روایت کے پیش نظر عمدہ کتابت بہترین کاغذ اور اعلیٰ ترین جلد کے ساتھ طبع کرا کے عوام کے سامنے پیش کیا ہے) اس حاشیہ اور تفسیر کا بھی علمی اور تحقیقی طور پر جائزہ لینا چاہیئے کہ اگر ان میں کوئی چیز دینی طور پر قابل گرفت ہو جس سے عوام الناس کے عقائد پر اثر پڑتا ہو، اور ان کے اعمال و عبادات بگڑنے کا خطرہ ہو تو بر وقت یہ فریضہ ادا کیا جا سکے تاکہ کتمانِ حق اور نہی عن المنکر کی کوتاہی کے وبال میں ہم نہ آجائیں باوجود بے حد مصروفیت اور علالت و کاہلی کے اپنی بے بضاعتی اور بے مائیگی کے ساتھ سر دست صرف سرسری طور پر ہی طائرانہ

نگاہ ڈالی جا چکی ہے، اگر زندگی نے ساتھ دیا اور تائید ایزدی شامل حال رہی تو کسی دوسرے اور قدرے فرصت کے موقع پر تفصیلی جائزہ لیا جائے گا انشاء اللہ فی الحال اس اجمالی گرفت پر ہی اکتفا کی جاتی ہے اور اس میں استاذ محترم کے حکم کی تعمیل کے علاوہ مقدم طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی پیش نظر ہے جو حضرت تمیم داریؓ (المتوفی ۴۰ھ) سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے کہا کس کی خیر خواہی؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کے رسول، اور مسلمان کے حکام اور عام مومنوں کی خیر خواہی۔

(مسلم ص۵۴ ج۱ و بخاری ص۱۳ ج۱ فی ترجمۃ الباب)

اور صحیح ابوعوانہ (جلد ۱ ص۳۷) میں ہے کہ آپ نے تین دفعہ انما الدین النصیحۃ کا جملہ دہرایا اور اسی طرح ابوداؤد جلد ۲ ص۳۲۰ میں ہے، اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نصیحت اور خیر خواہی دین ہے، اس حدیث کی شرح اور تفسیر میں علماء اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیں امام ابوسلیمان احمد بن محمد الخطابی الشافعیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

فمعنی نصیحتہ للہ سبحانہ صحۃ الاعتقاد فی وحدانیتہ واخلاص النیۃ فی عبادتہ والنصیحۃ لکتابہ الایمان بہ والعمل بما فیہ والنصیحۃ لرسولہ التصدیق بنبوتہ وبذل الطاعۃ لہ فیما امر بہ و

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کے بارے میں اعتقاد صحیح ہو اور اس کی عبادت میں نیت خالص ہو اور اس کی کتاب کے حق میں نصیحت یہ ہے کہ اس کی کتاب پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں درج ہے اس پر عمل کرے اور اس کے رسول کے لیے نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی نبوت کی تصدیق کرے اور جس چیز کا انہوں

نهى عنه والنصيحة لائمة المسلمين ان يطيعهم فى الحق و ان لا يرى الخروج عليهم بالسيف اذا جاروا والنصيحة لعامة المسلمين ارشادهم الى مصالحهم اھ (معالم السنن ج ۷، ص ۲۴۷ طبع مصر)

نے حکم دیا اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سلسلہ میں انکی اطاعت کرے اور آئمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ حق کی بات میں ان کی فرمانبرداری کرے اور جب وہ ظلم پر کمر بستہ ہوں تو ان کے خلاف تلوار لیکر خروج نہ کرے (یعنی ویسے زبانی جہاد کرے) اور عامۃ المسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ انکے مصالح میں ان کی راہنمائی کرے

اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ نصیحت ایک ایسا جامع لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس سے لے کر عامۃ المسلمین تک ہر مقام پر حسب حال چسپاں ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نصیحت اور خیر خواہی کو دین فرمایا ہے (الدین النصیحۃ) حافظ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن رجب الحنبلیؒ (المتوفی ۷۹۵ھ) اس حدیث کی شرح میں امام تقی الدین ابوعمرو عثمان المعروف بابن الصلاح الشافعیؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

فالنصيحة لله توحيده ووصفه بصفات الكمال والجلال وتنزيهه عما يضادها ويخالفها وتجنب معاصيه والقيام بطاعته و محابه بوصف الاخلاص والحب فيه والبغض فيه وجهاد من كفر به تعالى وما ضاهى ذالك والدعاء الى ذلك والحث عليه والنصيحة لكتابه الايمان به وتعظيمه وتنزيهه وتلاوته

نصیحت للہ یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور صفات کمال و جلال کے ساتھ اس کو موصوف سمجھا جائے اور جو صفات ان کے برعکس اور مخالف ہیں ان سے اس کی ذات کو منزہ سمجھا جائے اور اس کی نافرمانی سے گریز کیا جائے اور اس کی اطاعت کی پابندی کی جائے اور کمال اخلاص کے ساتھ اس کی محبت کی جائے اور اس کی رضا کے لیے دوسروں سے محبت اور عداوت کی جائے اور جو کافر باللہ ہے اس سے جہاد کیا جائے

والوقوف مع اوامره ونواهيه
وتفهم علومه وامثاله وتدبر
آياته والدعاء اليه و ذب
تحريف الغالين وطعن الملحدين
عنه والنصيحة لرسول صلى الله
عليه وسلم قريب من ذالك
الايمان به وبما جاء به وتوقيره
تبجيله والتمسك بطاعته واحياء
سنته واستنشار علومه ونشرها
ومعاداة من عاداه وموالاة من والاه
والتخلق باخلاقه والتأدب بآدابه
ومحبة آله واصحابه ونحو ذالك
والنصيحة لائمة المسلمين معاونتهم
على الحق وطاعتهم فيه وتذكيرهم
به وتنبيههم في رفق ولطف و
مجانبة الوثوب عليهم والدعاء
لهم بالتوفيق وحث الاغيار على
ذالك والنصيحة لعامة المسلمين
ارشادهم الى مصالحهم وتعليمهم
امور دينهم ودنياهم وستر عوراتهم
وسد خلاتهم ونصرتهم على
اعدائهم والذب عنهم و

اور جو امور ان کے مشابہ ہوں اور ان جملہ
امور کی طرف دعوت دینا اور ان پر لوگوں کو
آمادہ کرنا وغیرہ اور نصیحت لکتابہ یہ ہے
کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی تعظیم کی
جائے اور اس کو غلط تاویلات سے بچایا
جائے اور اس کی تلاوت کی جائے اور اس
کے اوامر ونواہی پر وقوف حاصل کیا جائے
اور اس کی آیات پر تدبر کیا جائے اور اس
کی طرف دعوت دی جائے اور غالی لوگوں
کی تحریف سے اس کی مدافعت کی جائے
اور ملحدوں کے طعن سے اس کو محفوظ کیا جائے
اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نصیحت اور خیر خواہی کا معنی بھی اس کے
قریب قریب ہے کہ ان پر اور جو چیزیں وہ لیکر آئے ہیں
اس پر ایمان لائے اور ان کی توقیر وتعظیم کی جائے
اور ان کی اطاعت پر پابندی کی جائے اور ان
کی سنت کو زندہ کیا جائے اور آپ کے دشمنوں سے
عداوت کی جائے اور جو لوگ آپ سے اور آپ کی
سنت سے محبت کرتے ہیں ان سے محبت کی جائے
اور آپ کے طور وطریق اور آداب کی پیروی
کی جائے اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب سے
محبت کی جائے اور اس کی مانند اور چیزیں عمل

مجانبة الغش والحسد لهم وان يحب لهم ما يحب لنفسه و يكره لهم ما يكره لنفسه ومااشبه ذالك انتهى (جامع العلوم والحكم مـ۵ طبع مصر)

میں لائی جائیں اور آئمۃ المسلمین کی نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ حق میں ان کی امداد اور طاعت کی جائے اور نرمی اور شفقت کے ساتھ ان کو حق پر چلنے کی یاد دہانی اور تنبیہ کی جائے اور ان کی مخالفت سے کنارہ کشی کرنی چاہیئے اور ان کے حق میں توفیق کی دعا کی جائے۔ اور دوسروں کو اس پر آمادہ کیا جائے اور عامۃ المسلمین کے حق میں نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ ان کے مصالح میں ان کی رہنمائی کیجائے اور ان کو دین و دنیا کے امور کی تعلیم دی جائے اور ان کی پردہ پوشی کی جائے اور ان کی حاجت براری کی جائے اور ان کی دشمنوں کے مقابلہ میں امداد و مدافعت کی جائے اور ان کے ساتھ مکر و حسد سے اجتناب کیا جائے اور ان کے لیے وہی کچھ پسند کیا جائے جو اپنے لیے پسند کیا جاتا ہے اور وہی کچھ ان کے لیے ناپسند کیا جائے جو اپنے لیے ناپسند کیا جاتا ہے، اور جو دیگر امور اس طرح کے ہوں۔

اس تفصیلی عبارت میں بھی نصیحت کا مطلب و مفہوم خوب آشکارا کیا گیا ہے اور اعلیٰ ذات سے لے کر ادنیٰ مخلوق تک کی ہمدردی اور بہی خواہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے، امام محی السنۃ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) النصیحۃ لصحابہ کی شرح میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

واقامة حروفه فی التلاوة والذب عنه لتاویل المحرفین وتعرض الطاعنین والتصدیق بما فیه والوقوف مع احکامه وتفهم علومه اھ

اور تلاوت میں اس کے حرفوں کو درستی کرنا اور محرفین کی تاویل کی اس سے مدافعت کرنا اور اس پر طعن کرنے والوں کے طعن کا رد کرنا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تصدیق کرنا اور اس کے احکام پر وقوف حاصل کرنا اور اس کے علوم کو سمجھنا۔

اور النصیحة لرسوله کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

فتصدیقه علی الرسالة والایمان بجمیع ماجاء به وطاعته فی امره ونهیه ونصرته حیا ومیتا ومعاداة من عاداه وموالاة من والاه واعظام حقه وتوقیره واحیاء طریقته وسنته وبث دعوته ونشر شریعته ونفی التهمة عنها اھ

(نووی شرح مسلم جلد ا ص۵۴)

آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا اور تمام ان احکام پر ایمان لانا جو آپ (منجانب اللہ) لائے ہیں اور آپ کے امر و نہی میں آپ کی اطاعت کرنا اور آپ کی زندگی اور بعد از وفات مدد کرنا اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی کرنا اور آپ کے دوستوں سے دوستی کرنا اور آپ کے حق کو بڑا سمجھنا اور آپ کی توقیر کرنا اور آپ کے طریقہ اور سنت کو زندہ کرنا اور آپ کی دعوت کو پھیلانا اور آپ کی شریعت کی نشرواشاعت کرنا اور آپ کی شریعت پر (ملحدین) کی تہمت کو دور کرنا۔

ان اقتباسات کے پیش نظر دیگر امور کے علاوہ عامۃ المسلمین کی خیر خواہی اور ان کے رشد و ہدایت کی فکر دین ہے کیونکہ جب صحیح دین اور قرآن و سنت کے مطابق اعمال ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور غلط اور باطل امور کی نشاندہی کی جائے گی تو عوام کے حق میں یہ نصیحت اور خیر خواہی ہو گی کیونکہ وہ اپنے عقائد و اعمال کو درست کریں گے اور راہ راست پر گامزن ہو کر تقرب خداوندی حاصل کریں گے اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے اور ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور آپ کی مخالفت سے بچ

کہ آتشِ دوزخ سے رستگاری ملے گی اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی محبوب مشغلہ تھا کہ وہ ہر وقت مخلوق خدا کی بھلائی اور ان کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھتے تھے اور ہر دور کے علماء حق کا یہی فریضہ رہا کیا ہے، اس فریضہ کی اہمیت اس قدر واضح ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں جابجا اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی طرف خاص توجہ دلائی ہے، ذیل میں ہم ان کی چند عبارات پیش کرتے ہیں، غور فرمائیں۔

(۱) کہ جو لوگوں کو گناہوں اور بُرے کاموں سے نہیں روکتے۔ مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء پر نصیحت اور بدی سے روکنا واجب ہے، اور جو شخص بُری بات سے منع کرنے کو ترک کرے اور نہی منکر سے باز رہے، وہ بمنزلہ مرتکب گناہ کے ہے۔ (ص ۱۷۲ و ص ۱۵۹)

(۲) مسئلہ چھپانا یہ بھی ہے کہ کتاب کے مضمون پر کسی کو مطلع نہ ہونے دیا جائے، نہ وہ کسی کو پڑھ کر سنایا جائے نہ دکھایا جائے، اور یہ بھی چھپانا ہے کہ غلط تاویلیں کر کے معنی بدلنے کی کوشش کی جائے اور کتاب کے اصل معنی پر پردہ ڈالا جائے (ص ۴۰ و ص ۳۰۷)

(۳) مسئلہ :- علماء پر واجب ہے کہ اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں اور حق ظاہر کریں، اور کسی غرض فاسد کے لیے اس میں سے کچھ نہ چھپائیں (ص ۱۱۰ و ص ۲۷۲)۔

(۴) مسئلہ :- اس سے معلوم ہوا کہ علم کو چھپانا مذموم ہے (ص ۱۲۳ و ص ۱۱۸)

ان حوالوں کے پیش نظر ہم مولوی نعیم الدین صاحب کے بھی مشکور ہیں کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف خاصی توجہ دلائی اور مفید مشورے دیئے ہیں، لہٰذا ان کی تفسیر میں ہم جو امور غلط پائیں گے باحوالہ اور دلائل کی روشنی میں اُن کی تردید اور اُن پر تنقید کریں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

(۴) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ترجمہ میں اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اپنے حاشیہ اور تفسیر میں گو میر عربی کے معتبر اصول اور کتب

تفسیر سے بے نیاز ہو کر محض اپنے موعود عقائد کو بنیاد اور محور قرار دے کر اپنی مرضی اور پسند کے مطابق ترجمہ اور اس کی تفسیر کی ہے تاکہ عوام یہ سمجھ لیں کہ یہ سب امور مخترعہ دین ہیں یہی وجہ ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے اپنی جماعت کی ایجادات و مرغوبات مثلاً گیارہویں، تیجہ، ساتواں، چالیسواں، عرس، میلاد، توشہ اور سبیل کی شربت کا جابجا مزے لے کر تذکرہ کیا ہے، اور غالباً تفسیر لکھنے کا بڑا شوق انہیں امور سے تلذذ کا مرہون منت ہے اور علم غیب، مختار کل، حاضر و ناظر اور نفی بشریت وغیرہ باطل عقائد کو بزور شید کرنے کی کوشش کی اور وہابیوں کو کوسنے کا حق ادا کرنے کی بیجا سعی کی ہے، اور اسی طرح نذر لغیر اللہ کے جواز پہ خاصا زور لگایا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ خان صاحب کے ترجمہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ کریں۔ مثلاً وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پ۲، بقرہ، ۷) کا معنی کرتے ہیں، اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ، چونکہ خان صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، اس لیے اپنے غلط عقیدہ کے اثبات کے لیے شہید کا معنیٰ نگہبان کر دیا ہے، بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ اور لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ، پ۷، الانعام، ۵) کا معنی کرتے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں، خان صاحب کا یہ باطل دعوےٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر علم غیب نہیں جانتے تھے بلکہ عطائی طور پر جانتے تھے تو اپنے اس باطل دعوے پر روشنی ڈالنے کے لیے لفظ آپ ترجمہ میں اپنی طرف سے داخل کیا ہے، تحقیق اپنے مقام پر ہو گی انشاء اللہ اور قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا، الآیۃ (پ۹، الاعراف، ۲۳) کا معنی کرتے ہیں کہ تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں۔ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل تسلیم کرتے ہیں مگر ذاتی نہیں بلکہ عطائی، اس لیے ترجمہ میں لفظ خود داخل کر کے اپنے مزعوم اور فاسد عقیدہ کے لیے گنجائش نکالی ہے، مفصل بحث

اپنی جگہ آرہی ہے انشاء اللہ اور یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ آلایۃ (پ ۲۱-الاحزاب ۱)
کا معنی کرتے ہیں اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اور اسی سورت میں پھر
آگے یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اے غیب بتانے والے (نبی) (رکوع ۴) اور رکوع ۶ میں بھی
یہی معنی کیے ہیں اور پ ۲۸، سورۃ التحریم رکوع ا میں بھی یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ کے یہی معنی
کیے ہیں اے غیب بتانے والے (نبی) خان صاحب یہ معنی کرکے یہ باور کرانے کے
درپے ہیں کہ نبی کہتے ہی اُسے ہیں جو غیب بتاتے اور بتانا فرع ہے جاننے کی تو
مطلب یہ ہوا کہ نبی غیب جانتے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر
احکام خداوندی بھی بتاتے ہیں، اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں، لیکن جس مطلق اور کلی غیب
کے اثبات کے درپے خان صاحب ہیں، اس کا علم اور اس کا بتانا کسی طرح نبی کے
معنی و مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک بیّن حقیقت ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی، اور سورۃ علق کی ابتدائی
پانچ آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئی تھیں، کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے
غیب کی کچھ خبریں بھی جو ماسبق یا آئندہ کے متعلق ہوں، اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے
ثابت نہیں کہ آپ کو بتائی گئی ہوں مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے تو کیا معاذ اللہ جس
وقت تک آپ کو غیب کی خبریں مرحمت نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک کے
لیے آپ نبی نہ تھے، خان صاحب کے اس ترجمہ سے تو ایسا ہی ثابت ہوتا ہے
اور وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ آلایۃ (پ ۲۳، یٰسین ۵) کا معنی کرتے ہیں اور ہم نے ان
کو شعر کہنا نہ سکھایا، خان صاحب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب
کلی کے عطا کے قائل ہیں اور یہ آیت کریمہ ان کے باطل دعویٰ کے بالکل خلاف ہے، اس
انہوں نے لفظ کہنا اپنی طرف سے اس کے معنی میں ڈال کر بزعم خویش جواب سے
فارغ ہو گئے مگر یہ نہ سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شعر کہنے کا علم آپ کو نہیں سکھایا
تو یہ شعر کہنا بھی تو ماکان و مایکون میں داخل ہے خان صاحب کی کلی تو

پھر ٹوٹ گئی، پھر اس بیہودہ تاویل سے کیا فائدہ ہے کہ شعر کا علم تو آپ کو ہے ہاں مگر کہنے کا علم نہیں دیا گیا، مشتے نمونہ از خروارے چند حوالے عرض کر دیئے گئے ہیں، اسی نہج پر خان صاحب اپنے باطل نظریات کے پیش نظر قرآن کریم کے ترجمہ میں اپنی طرف سے الفاظ ڈال ڈال کر مطلب لیتے ہیں، اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب تو ان کے ان رموز و اشارات کے بل بوتے پر رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں، اور پورے حاشیہ اور تفسیر میں ان کو یہی فکر دامنگیر ہے کہ کسی طرح ان کے مخترعات و بدعات کو شرعی سند حاصل ہو جائے اور قرآن پاک سے ان پر روشنی پڑے تاکہ عوام الناس یہ باور کر لیں کہ سب بدعات دین کے کام ہیں، اور قرآن پاک اور اس کی تفسیر سے یہ ثابت ہیں (معاذ اللہ)

(۳) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے قرآن کریم کا نہایت صحیح اور قواعد عربی اور قرآن کریم کی منشا اور کتب تفسیر کے مطابق بہترین ترجمہ کیا ہے، اور اس کے بیشتر حواشی اور تفسیر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نے تحریر فرمائی ہے۔ غالباً خان صاحب بریلوی اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے انہی کی نقالی میں یہ خدمت سرانجام دی ہے، کیونکہ اور کچھ ہو نہ ہو اہل بدعت حضرات علماء حق کی نقالی تو ضرور کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے عقائد و بدعات کی ترویج اور وہابیوں کو زیر کرنے اور نیچا دکھانے کا جذبہ اس پر مستزاد ہے، بہرحال کچھ بھی ہو ہم ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد و اعمال مروّجہ کو سطح قرطاس پر لا کر سوچنے

لہ اتخذوا احبارهم ورهبانهم الآیۃ کے معنی میں لکھتے ہیں، انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا، الخ اس میں انہوں نے مولویوں اور پیروں کا معنی نہیں کیا۔ تاکہ ان کی پرستش کا دروازہ کھلا ہے۔

والوں کو موقع دیا ہے، اب اہل علم اور صاحب ذوق حضرات خود ان کو قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کے صحیح کسوٹی پر پرکھ لیں گے، اور خود اندازہ لگالیں گے کہ حق کس جماعت کے ساتھ ہے؟ اور دلائل و براہین کس کے پاس ہیں اور کون ان سے تہی دامن ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے اور پھر اس پر چلنے کی توفیق ارزاں فرمائے، آمین،

(۴) ہم نے بقید حروف پہلے خان صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب کی عبارت نقل کی ہے اور آگے تنقید کا لفظ لکھ کر اس کے بعد اپنے دلائل اور حوالے پیش کئے ہیں، اور ان کی تمام اغلاط کو بھی پیش نظر نہیں رکھا، بلکہ اہم خامیوں اور صریح خرابیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور تطویل کے خوف سے بعض قابل تنقید امور اور کمزوریوں کو نظر انداز کر دیا ہے، تاکہ قارئین کرام کے اذہان کو ضرورت سے زیادہ تشویش نہ ہو اور وہ پڑھنے سے نہ اکتا جائیں۔

(۵) اہل حق کو تو انشاء اللہ ان پیش کردہ دلائل و براہین سے کافی اطمینان اور شرح صدر حاصل ہوگا۔ مگر اغلب ہے کہ دوسرے فریق کو طوفانی سطح کی برہمی ہوگی لیکن علم و تحقیق کے میدان میں ناراضگی کوئی معنی نہیں رکھتی اگر وہ ہماری کوتاہیوں پر واضح دلائل اور روشن براہین سے ہمیں آگاہ کریں گے تو نہ صرف یہ کہ ہم انشاء اللہ العزیز ان کو شرح صدر کے ساتھ قبول کریں گے بلکہ ان کا شکریہ بھی ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ تمام کلمہ پڑھنے والوں کو قرآن کریم کی صحیح سمجھ اور حدیث شریف کا کامل فہم مرحمت فرمائے اور پھر ان پر عمل کرنے کی توفیق جمیل عطا فرمائے، آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَجَمِيْعِ مُتَّبِعِيْهِ اَجْمَعِيْنَ

احقر الناس ابو الزاہد

محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ و

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْد!

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اصولی طور پر مکمل ہدایت نامہ ہے۔ جس پہ عامل ہو کر دنیا و آخرت کی ابدی خوشیاں نصیب ہو سکتی ہیں، قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کرنا اور سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے لیکن ترجمہ و تفسیر وہی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک مستند مفسرین کرامؒ نے اس کو بیان کیا ہے، ذیل میں غلط تفسیر کے چند نمونے اور اس کی تردید ملاحظہ ہو۔

اوّل۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے، باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں بندے کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے کیونکہ مقربان حق کی امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اَعِیْنُوْنِیْ

بِقُوَّةٍ اور اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دیجاتی۔ صـ ۳

تنقید :-

جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابلِ صد نفرین ہے، معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نَسْتَعِیْنُ کا مفعول و معمول اِیَّاکَ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بریلویت و بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے، اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدۂ باطلہ ہے اھ اور اس طرح تحریف کا چور دروازہ اپنے لیے کھول لیا ہے، اس لیے ہم بھی اس پر قدرے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود اور باطل ہے۔ اولاً بزعم خود جو تفسیر اور احتمال اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں، ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اور اگر یہ غلط

ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار پایا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدۂ باطلہ ٹھہرا؟ وثانیاً استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ولا شريكَ له في وجوب الوجود ولا في استحقاق العبادة في الخلق والتدبير فلا يستحق العبادة اى اقصى غاية التعظيم الا هو ولا يشفي مريضاً ولا يرزق رزقاً ولا يكشف ضراً الا هو بمعنى ان يقول لشئ كن فيكون لا بمعنى التسبيب العادي الظاهري كما يقال شفى الطبيب المريض و رزق الامير الجند فهذا غيره وان اشتبه في اللفظ اه (تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ ص ۱۴۵)

وجوب وجود استحقاق عبادت خلق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ استحقاق عبادت یعنی انتہائی تعظیم کا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اہل نہیں، بیمار کو شفا دینا، رزق عطا کرنا، اور تکلیف دور کرنا صرف اسی کا کام ہے، وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے لیکن اس کا دنیا عادۃً ظاہری سبب کے طور پر نہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا یہ تو ظاہری اور اسباب کے تحت دینا ہے اور یہ اور چیز ہے اگرچہ لفظ میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے

اور الشیخ ابوبکر بن محمد عارف خوقیرہ فرماتے ہیں کہ:۔

الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثراً فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة وان لشئ من الاشياء سلطاناً عما خرج عن قدرة المخلوقين

شرک اس اعتقاد کا نام ہے جو غیر اللہ کے متعلق یوں قائم کر لیا جائے کہ غیر اللہ کا اُن ظاہری اسباب سے بالاتر اثر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب قرار دیا ہے اور یہ کہ کسی چیز کا اس شے پر تسلط ہے جو

مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔ (ما لابد منہ صلا طبع مصر)

اس سے ثابت ہوا کہ استعانت ظاہری اور ماتحت الاسباب جائز اور درست ہے، جیسا کہ حضرت ذوالقرنین ؑ نے سدِ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر وہاں کے لوگوں کی یہ درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج ہمیں بے حد تکلیف دیتے اور ستاتے ہیں، اس لیے آپ اس درّہ میں ایک بند قائم کر دیں، تاکہ ہم ان کے دست برد سے نجات حاصل کر لیں اور ہم آپ کی مالی امداد بھی کریں گے تو حضرت ذوالقرنین ؑ نے فرمایا کہ مال کی مجھے ضرورت نہیں، خداوند تعالیٰ نے بہت کچھ مجھے مرحمت فرمایا ہے ہاں بدنی طور پر تم میری امداد کرو اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب، ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، اور شریعت حقہ اس کے لیے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے، اہل علم کی شان نہیں۔ وثالثاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ لکھتے ہیں کہ:-

ومنها انهم كانوا يستعينون بغير الله في حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير وينذرون لهم يتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ويتلون اسمائهم رجاء بركتها فاوجب الله تعالى عليهم ان يقولوا في صلوتهم اياك	اقسام شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا اور فقیر کی غنیٰ وغیرہ اور ان کے لیے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے سو اللہ تعالیٰ

نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ احداً ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ھو الاستعانۃ لقولہ تعالٰی بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ ہ	نے ان پر یہ واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھیں اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو اور دعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کرامؒ نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ تم صرف اسی کو پکارو گے
(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۶۲ طبع مصر)	سو وہ تمہاری تکلیف کو رفع کرے گا۔

ان صاف اور صریح عبارات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے، اور یہی مشرکین مکہ کا شرک تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

وکفّر اللہ سبحانہ مشرکی مکۃ بقولھم لرجل سخی کان یَلِتُّ السویق للحجاج انہ نصب منصب الالوھیۃ وجعلوا یستعینون بہ عند الشدائد۔	اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مشرکوں کو اس لیے کافر فرمایا کہ انہوں نے ایک سخی آدمی کو جو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا (جس کا نام لات تھا) حاجت روائی کا منصب دے رکھا تھا اور تکالیف و مصائب کے مواقع پر وہ اس سے
(بدور البازغۃ ص۱۲۶)	استعانت کیا کرتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں :۔

مسئلہ :۔ عبادت مر غیر خدا را جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق اھ	کہ نہ تو خدا تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت جائز ہے اور نہ اس کے بغیر کسی سے مدد
(ارشاد الطالبین ص۲۰)	طلب کرنا۔

حیرت ہے کہ یہ اکابر علماء اسلام تو غیر اللہ سے استعانت کو کفر اور شرک

قرار دیں اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے سراسر خلاف سمجھیں، مگر مولوی نعیم الدین صاحب یہ کہتے رہیں کہ استعانت بالغیر کی نفی اس آیت سے وہابیہ نے سمجھی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) مشرکین کے افعال شرکیہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

و در تصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض وتسخیر ارواح و مانند آں بکار می آرند۔ ایں خود شرک صریح است دریں مقام عذرے نیست۔ (فتاوٰی شاہ رفیع الدین صاحبؒ)	یعنی مشرکین کائنات کے جزوی تصرفات مثلاً رزق کشادہ کرنے اولاد دینے امراض کو دُور کرنے اور ارواح کو مسخر کرنے وغیرہ کے سلسلہ میں افعال شرکیہ کو عمل میں لاتے ہیں اور یہ خود صریح طور پر شرک ہے اور اس مقام میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ سارے جہاں کا مدبّر و متصرف خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بعض مخصوص علاقوں میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا ہے (ویجعلہ مؤثوا متصرفا فی قسط من العالم۔ بدور بازغہ ص۱۲۳) پھر آگے لکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔

والغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا (بدور بازغہ ص۱۲۴)	اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کا نام لینے والے انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی آج کل یہی عقیدہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مگر ان کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو عونِ الٰہی اور امدادِ الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے اور یہی شرک کی حقیقت ہے، کیوں کہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا بایں طور پر کہ اس کو واجب الوجود

تسلیم کیا ہو، اور قدرت وطاقت کا بالاستقلال منبع اس کو یقین کیا ہو بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ :۔

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالى شيئاً من صفاته المختصة كالتصرف فى العالم بالارادة الذى يعبر عنه بكن فيكون او العلم الذاتى من غير اكتساب بالحواس ودليل العقل و المنام والالهام ونحو ذالك او الايجاد لشفاء المريض او اللعن لشخص والسخط عليه حتى يقدر عليه الرزق او يمرض او يشقى لذالك السخط او الرحمة لشخص حتى يبسط له الرزق ويصح بدنه ويسعد ولم يكن المشركون يشركون احداً فى خلق الجواهر وتدبير الامور العظام ولا يثبتون لاحد قدرة على الممانعة اذا ابرم الله سبحانه وتعالى امراً وانما كان اشراكهم فى الامور الخاصة ببعض العباد وكانوا يظنون ان	شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے اُن صفات میں سے کوئی چیز ثابت کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں مثلاً جہان میں اس ارادے سے تصرف کرنا جس کو کن فیکون سے تعبیر کیا جاتا ہے یا علم ذاتی ثابت کیا جائے جو بغیر حواس اور عقلی دلیل اور خواب اور الہام وغیرہ کے ثابت ہو یا بیمار کے مرض کو دُور کرنے کی صفت ثابت کی جائے یا کسی شخص پر ایسی پھٹکار اور ناراضگی ڈالی جائے کہ اُس کی وجہ سے اس پر رزق تنگ ہو جائے یا کسی شخص پر رحمت کی جائے جس کی بنا پر اس پر رزق کی وسعت ہو اور اس کا بدن صحیح ہو جائے، اور وہ سعادت مند ہو جائے مشرک لوگ کسی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اجسام و جواہر کے پیدا کرنے اور بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کرنے میں شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور کسی کے لیے یہ قدرت ثابت نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کر چکتا ہے تو وہ اس کو ٹال سکتے ہیں، ان کا شرک یہ تھا کہ بعض بندوں کے بارے میں

الملك على الاطلاق جل مجده شرف
بعض العباد بخلعة الالوهية
ويؤثر رضاهم وسخطهم على
سائر العباد كما ان ملكا من
الملوك عظيم القدر يرسل عبيده
المخصوصين الى نواحي المملكة
ويجعلهم متصرفين في الامور
الجزئية الى ان يصدر عن
الملك حكم صريح فلا يتوجه
الى تدبير الامور الجزئية و
يفوض اليهم امور سائر العباد
ويقبل شفاعتهم في امور من
يخدمهم ويتوسل بهم فيقولون
بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه
المخصوصين المذكورين ليتيسر لهم
قبول الملك المطلق وتقبل شفاعتهم
للمتقربين بهم في مجاري الامور
كانوا يجوزون بملاحظة هذه
الامور ان يسجد لهم ويذبح لهم
ويحلف بهم ويستعان بهم في
الامور الضرورية بقدرة كن
فيكون وكانوا ينحتون من الحجر

یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کچھ مخصوص کام کر
سکتے ہیں اور اُن مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ
علی الاطلاق بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے
لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو حاجت روائی
کی خلعت سے مشرف کر دیتا ہے اور ان
کی رضا اور ناراضگی کو سب بندوں پر ترجیح
دیتا ہے جس طرح کہ ایک بڑی شان والا
بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو اطراف مملکت
میں بھیجتا ہے اور اُن کو جزوی معاملات
میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے تاآنکہ
بادشاہ سے اس کے خلاف کوئی حکم صادر
ہو سو بادشاہ ان جزوی امور کی تدبیر کی طرف
توجہ نہیں کرتا اور ان سب لوگوں کے معاملات
ان غلاموں کے سپرد کر دیتا ہے اور ان
لوگوں کے بارے میں ان کی سفارش
قبول کرتا ہے جو ان کی خدمت میں مشغول
رہتے ہیں اور اس انداز سے ان کا توسل چاہتے
ہیں اور اسی وجہ سے مشرک لوگ اللہ تعالیٰ
کے مخصوص بندوں کے تقرب کو ضروری قرار
دیتے تھے تاکہ ان کو بادشاہ مطلق کے ہاں
آسانی سے قبولیت حاصل ہو اور ان سے
تقرب حاصل کرنے والوں کے حق میں ان

الصفر وغیر ذلک صوراً اتخذوہا قبلۃ التوجہ الی تلک الارواح اھ (الفوز الکبیر ص۳ و ص۴)

کے معاملات کے پورا ہونے میں ان کی سفارش قبول ہو اور انہی امور کے پیش نظر مشرک لوگ ان مخصوص بندوں کو سجدہ جائز سمجھتے تھے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان کے ناموں کی قسم اٹھاتے تھے اور اہم معاملات میں ان سے کن فیکون کی قدرت کے تحت استعانت کرتے تھے اور مشرک لوگ پتھر اور پیتل وغیرہ کی مورتیاں بھی تراشتے تھے مگر ان کو وہ ان نیک لوگوں کے ارواح کی توجہ کا قبلہ سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مشرکوں کے شرک کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ تقریباً ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مشرکوں پر فٹ ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر ان میں سے کوئی ایک بات اور کسی جگہ کوئی دوسری بات ہو مگر اصولی طور پر مشرک انہی برائیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خرابیوں سے محفوظ رکھے آمین۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اپنی مختصر مگر بے حد مفید تفسیر موضح القرآن میں وَلَا تَنکِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا، اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد یا عورت نے شرک کیا، اس کا نکاح ٹوٹ گیا، شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے، یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے، یا ہمارا بھلا یا برا کرنا، اس کے اختیار میں ہے، اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر اھ (حاشیہ حمائل شریف ص۵۵ و ص۵۶) حیرانگی کی بات ہے کہ جن امور کو ذمہ دار بزرگانِ دین قرآن و سنت کی روشنی

میں ببانگ دہل شرک کہتے ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے اتباع انہی کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خالص ایمان اور سچا اسلام ثابت کرنے کے درپے ہیں، فوا اسفا۔

رہا مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے اھ تو یہ نرا دھوکہ اور مغالطہ ہے، کیونکہ صبر اور صلوٰۃ بلاشبہ غیر اللہ ہیں مگر استعانت صبر اور صلوٰۃ سے نہیں اور نہ وہ مستعان ہیں بلکہ بِالصَّبْرِ میں حرف با سببیت کے لیے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے سبب اور ذریعہ سے استعانت کرو (کیونکہ غیر اللہ حقیقی طور پر اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی مستعان نہیں ہیں، بخلاف باری تعالیٰ کے کہ وہ سبب نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہے) یہ تو صرف ذریعہ ہیں مستعان ہرگز نہیں، مستعان کون ہے؟ وہ صرف باری تعالیٰ ہے جیسا کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ اور اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو چہ جائیکہ اس کے ثبوت میں احادیث ہوں، محض احادیث کے خوش کن لفظ سے عوام کو دھوکہ دینا خیانت علمی ہے، عالم اسباب کی استعانت کا معاملہ جدا ہے اس کی کچھ ضروری تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس باطل عقیدہ کی مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے متوسلین نشر و اشاعت کرتے ہیں وہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، اگر ہماری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تو ہم مجبور نہیں کرتے، بریلوی مسلک کے ایک مسلم پیر اور مشہور شخصیت کا حوالہ ہم عرض کرتے ہیں جو اپنی جماعت میں علم و تحقیق اور شرف و فضیلت میں بہت مشہور تھے، وہ بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب

گولڑوی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لاویں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو، یہ تب ہے نعوذ باللہ، نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدۂ اسلام ہے۔ انتہیٰ بلفظہٖ (مکتوبات طیبات معروفہ بمہر چشتیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب ص۱۲۷ مطبوعہ حجازی پریس لاہور) اس حوالہ کو بار بار پڑھیئے اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے ہم مشرب دوستوں کے باطل عقیدہ کو بھی دیکھئے۔ اور یہی پیر صاحب ایک برہمن نجومی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے، نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، پس سعادت اور اس کے خلاف کے جاننے سے کیا فائدہ ہے الخ (مقالات مرضیہ المعروف بہ ملفوظات مہریہ ص۱۲۷ طبع نور آرٹ پریس راولپنڈی)

اور نیز مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربانِ حق کا وجود پروردگار کے وجود کے غیر ہے، اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کر دی تو معاملہ الگ ہے، غرضیکہ مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت جو خاصۂ خداوندی ہے جس سے بھی ہوگی شرک ہی ہوگی،

اس میں رتی بھر شبہ نہیں ہے۔

دوم۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

مسئلہ :۔ جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے ، اس کی امامت جائز نہیں۔

(محیط برہانی) صہ ۳

تنقید :۔

ایک ہے ضاد اور ظا یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متاخرین فقہاء کرام میں مشہور چلا آرہا ہے ، اور جس پر زلۃ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے ، لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کا اختلاف فقہاء کے ذکر کیے بغیر محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کرنا بظاہر ان کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظا سے مشابہ معلوم ہوتا ہے ، اس لیے مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنے والے کی امامت جائز نہیں ، تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ورنہ مسئلہ دراصل امام و منفرد سب کے لیے یکساں ہے ، کیونکہ تصحیح حروف ہر نمازی پر لازم ہے ، اگرچہ اس مسئلہ میں قدیماً و حدیثاً خاصا اختلاف (بلکہ بعض مقامات پر غوغا) چلا آتا ہے لیکن عموم بلویٰ کی وجہ سے عوام الناس کے مخارج حروف میں فرق اور تمیز ملحوظ نہ رکھ سکنے کے پیش نظر متاخرین فقہاء کرام کا ضابطہ یہ ہے جیسا کہ علامہ محمد ابن عابدین الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) نے نقل کیا ہے کہ خطا جو حروف میں واقع ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ، اس لیے کہ عام لوگ اس میں مبتلا ہیں اور وہ بغیر مشقت کے حروف کو درست نہیں کر سکتے اور فتاویٰ تاتارخانیہ[1]

---

[1] اس کے مصنف حضرت مولانا عالم بن علاء اندرپتی دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۸۶ ھ) ہیں ، یہ کتاب انہوں نے امیر کبیر تاتارخان دہلویؒ کے نام سے موسوم کی تھی ۱۲ منہ

میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب دو حرفوں میں نہ تو اتحاد مخرج ہو اور نہ قرب مگر اس میں عموم بلوی ہو۔ جیسے ذال کو بجائے ضاد کے یا زا کو بجائے ذال وظا کے یا ظا کو بجائے ضاد کے پڑھ دینا تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، پھر آگے فرماتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی، مختار قول یہی ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ درست تر اور مختار قول یہی ہے۔

(شامی زلۃ القاری جلد ا ص۴۶۸ طبع مصر)

امام حافظ الدین محمد بن محمد المعروف بابن البزاز الکردری الحنفیؒ (المتوفیٰ ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاصل انه ان امكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل و ان لم يمكن الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلفوا فالاكثر على انه لا يفسد لعموم البلوى (بزازيه جلد ا ص۲۶ على هامش الهنديه جلد۴ طبع مصر)

ضابطہ یہ ہے کہ دو حرفوں میں اگر بلا تکلیف فرق کرنا ممکن ہو جیسے صاد اور طاء میں مثلاً صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور اگر مشقت کے بغیر فرق ممکن نہیں مثلاً ظاء اور ضاد صاد اور سین اور طاء اور تا تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے، اکثر اس پر ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس میں عموم بلوی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرف ضاد اور ظاء کی تمیز خاصی مشکل ہے۔ اور ان کی ادائیگی میں خاصی مشقت ہوتی ہے، اس لیے عموم بلوی کی وجہ سے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، ہاں یہ بات اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے کہ حتی الوسع ہر حرف کی تصحیح اور اپنے مخرج سے نکالنے کی مدت العمر کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر دو حرفوں میں تمیز مشکل سے ہوتی ہو، مثلاً ظاء اور ضاد یا صاد اور سین یا طا اور تا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی، اسی طرح فتاویٰ قاضیخاں میں ہے اور بہت سے مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ قاضی امام الحسنؒ اور قاضی امام ابوعاصمؒ فرماتے ہیں کہ اگر عمداً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بے ساختہ زبان پر جاری ہو گیا۔

او کان لا یعرف التمییز لا تفسد وھو اعدل الاقوال والمختار الخ (عالمگیری جلد ۱ ص۸۳ طبع مصر)	یا وہ ان کی تمیز ہی نہیں جانتا تو نماز فاسد نہ ہوگی، تمام اقوال میں یہی عمدہ اور مختار قول ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے واضح ہے، اور فقیہ نفس امام حسن بن منصور الحنفیؒ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ اگر حرف بدلنے سے معنی بدل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر غیر المغضوب کو ظا سے پڑھا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ولو قرأ الضالین بالظاء والذال لا تفسد صلوٰة ولو قرأ الدالین تفسد صلوٰتہ۔	اور اگر ضالین کو ظاء، اور ذال کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر دالین (دال سے) پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(فتاویٰ قاضیخاں جلد ۱ ص۷۰ طبع نولکشور)

اس سے معلوم ہوا کہ ضاد، ظاء، اور ذال کو عموم بلویٰ اور تمیز میں مشقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے کہ اگر الضالین کو الظالین پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، محقق علی الاطلاق حافظ محمد بن عبدالواحد ابن الہمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

فان لم یمکن الفصل بین الحرفین	سو اگر دو حرفوں میں بلا مشقت فرق ممکن

مع غير مشقة كالضاد والظاء اختلفوا واكثرهم لم يفسدها اه (زاد الفقير ص۴۲)	نہیں مثلاً ضاد اور ظاء تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، اور ان میں اکثر اس نظریہ پر ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

اِس عبارت میں بھی خصوصیت سے ضاد اور ظا کا بیان کرکے یہ بات واضح کر دی گئی ہے، کہ اکثر کے نزدیک نماز جائز ہے، علامہ سیّد محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) نے ضاد اور ظا کے بارے میں خاصی بحث کی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اگر ان دونوں حرفوں میں فرق ملحوظ رکھ سکتا ہے اور مع ہذا پھر غلط پڑھتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، ورنہ نہیں اور فرماتے ہیں کہ اسی پہ اعتماد کرنا چاہیئے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (محصلہ روح المعانی جلد ۳۰ ص۹۱ طبع مصر) مفسر جلیل محدث نبیل حافظ ابو الفداء اسمعیل، ابن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ علماء کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ضاد وظا میں جو فرق ہے، اگر اس میں کوئی کمی باقی رہ جائے تو معاف ہے کیوں کہ یہ دونوں حرف قریب المخرج ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۳۰ طبع مصر)

شیخ القراء مکی نصرؒ اپنی علم تجوید کی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں کہ ضاد اور ظا دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ ان کا مخرج جدا جدا ہے، اور ضاد کو پڑھتے وقت آواز لمبی کسنی پڑتی ہے، اگر یہ فرق نہ ہوتا تو دونوں ایک ہی حرف سمجھے جاتے۔ (محصلہ نہایۃ القول المفید فی علم التجوید ص۵۵ طبع مصر)

علامہ سدید الدین کاشغریؒ (المتوفی فی حدود ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وذكر فى الذخيرة اذا لم يكن بين الحرفين اتحادا فى المخرج ولا قربة الا انه فيه بلوى عامة كان يأتى بالذال مكان الضاد	ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب دو حرفوں میں نہ تو اتحاد فی المخرج ہو اور نہ قرب ہو مگر یہ کہ اس میں عموم بلویٰ ہو مثلاً یہ کہ ضاد کی جگہ خالص زا پڑھی جائے یا ضاد کی جگہ ظا پڑھی

ئے امام محمد بن محمد۔ غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں اور ضاد اور ظا کے درمیان فرق کرے اگر نہیں کر سکتا تو جائز ہے:
(اکسیر ہدایت اردو ترجمہ کیمیائے سعادت ص۱۹۱)

اویأتی بالزای المحض مکان الذال او الظاء مکان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ۔ (منیۃ المصلی ص۴۱۸)	جائے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

اِس عبارت سے بھی صراحت سے معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ کی وجہ سے اگر ضاد کی جگہ ظا پڑھی جائے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی اور پہلے حوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اکثر فقہاء اور علماء کا یہ قابل اعتماد اور مختار قول ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

فائدہ :۔ جس وقت محیط کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے، تو اس سے محیط برہانی مراد ہوتی ہے، جس کے مصنف امام محمد الملقب برضی الدین برہان الاسلام الحنفی رہ (المتوفی ۵۴۴ھ) تھے، اور چالیس جلدوں میں یہ کتاب انہوں نے لکھی ہے، جو صدیوں سے نایاب ہے، پھر اس کا ملخص خود مصنف نے لکھا ہے جس کا نام الذخیرۃ البرھانیہ رکھا (ملاحظہ ہو الفوائد البھیہ ص۱۹۰) اور جس الذخیرۃ کا ذکر ہوا ہے، اس سے یہی الذخیرہ مراد ہے۔

غور فرمائیے کہ مصنف محیط برہانی کی تفصیلی عبارت سے کیا مسئلہ ثابت ہوا، اور مولوی نعیم الدین صاحب ان کے مجمل حوالہ سے کیا ثابت کر رہے ہیں؟ ممکن ہے، ان کو حضرت ملا علی القاریؒ (وغیرہ) کے اس حوالہ سے شبہ ہوا ہو مگر اس میں تفصیل ہے۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقراء الظاء المعجمۃ مکان الضاد المعجمۃ اویقراء اصحاب الجنۃ مکان اصحاب النار اوعلی العکس فقال لایجوز امامتہ	اور محیط میں ہے کہ امام فضلیؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو ضاد کی جگہ ظا یا اصحاب النار کے بجائے اصحاب الجنۃ یا ان دونوں کے برعکس پڑھتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر

ولو تعمد یکفر قلت اما کون تعمده کفراً فلا کلام فیه اما لم یکن فیہ لغتان فی ضنین الخلاف سامی واما تبدیل الظاء مکان الضاد ففیہ تفصیل الخ (شرح فقہ اکبر ص۲۰۵ طبع کانپور)	عمداً ایسا کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا میں کہتا ہوں کہ دیدہ دانستہ ایسا کرنے میں اس کے کفر میں تو کوئی کلام نہیں جب کہ اس لفظ میں ضنین کی طرح دو لغت نہ ہوں کیوں کہ اس میں ضنین اور ظنین پڑھنے کا اختلاف مشہور ہے بہرحال ضاد اور ظاء کے تبدیل کرنے میں خاصی تفصیل ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معاملہ صرف ظاء اور ضاد ہی کا نہیں جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ دیگر اغلاط کا بھی یہی حکم ہے، اور ظاء وضاد کا معاملہ بھی مطلق نہیں بلکہ بقول حضرت ملا علی القاریؒ اس میں تفصیل ہے، اور ہم نے باحوالہ پہلے اس کا تذکرہ کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو معاملہ فہمی کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہماری تو یہ دعا ہے کہ پروردگار اہل بدعت کو علم و دیانت اور تحقیق و خدا خوفی کا ذخیرہ عطا فرمائے تاکہ وہ بات سمجھ سکیں اور محض حق اور اہل حق سے لوگوں کو تنفر دلانے کے درپے ہی نہ ہوں، الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلویٰ کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج سے نکالنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے، امام ہو یا منفرد، مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لیے یکساں ہے، مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ مخواہ اہل حق کے اماموں سے تنفر دلانے کے لیے یہ شوشہ چھوڑا ہے،

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ مسئلہ گیارہویں، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں وغیرہ

بھی اس میں داخل ہیں کہ وہ سب صدقات نافلہ ہیں اور قرآن پاک و کلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر و ثواب بڑھتا ہے، الخ اور آگے متعدد مواقع پر ان اشیاء کا مختلف الفاظ سے تذکرہ کیا ہے، مثلاً ص ۲۱۱، ص ۲۰۶، ص ۱۲۹ وغیرہ۔

تنقید:۔

گیارہویں کے بارے میں عوام الناس کے مختلف نظریات ہیں، بعض جہلاء کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اگر بڑے پیر صاحبؒ کے نام پر مقررہ تاریخ پر گیارہویں نہ دی گئی تو جانی اور مالی طور پر ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑے گا، گھر میں بیماری پڑ جائے گی، کھیتی، تجارت اور کاروبار میں خسارہ ہوگا، اگر گیارہویں کا دودھ نہ دیا گیا تو دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، وغیرہ وغیرہ اور اگر بروقت گیارہویں ادا کر دی گئی تو سب کام ٹھیک ٹھاک رہیں گے، اور جان و مال اور کاروبار میں گوناگوں برکت ہو جائے گی، ظاہر امر ہے کہ غیر اللہ سے خوف رجا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب لغیر اللہ کہا جاتا ہے جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بیشتر جہلاء اسی غرض سے گیارہویں شریف دیتے ہیں اور اس کی ترویج کے لیے انہوں نے یہ افسانے بھی تراش رکھے ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت پیر صاحبؒ نے بارہ سال کے بعد ایک بڑھیا کے لڑکے کا غرق شدہ بیڑا دریا سے نکال پار کیا تھا، جس کی حقیقت ہماری دانست کے مطابق اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کسی بڑھیا اور بیوہ کا کوئی لڑکا والد کا سایہ سر پر نہ ہونے کی وجہ سے دس بارہ سال آوارگی اور گمراہی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہوگا، اور بدیں وجہ اس کی مذہبی اور اخلاقی اقدار کا بیڑا غرق ہو چکا ہوگا، اس کی والدہ نے حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں وعظ و پند اور دعاء کی التجا کی ہوگی، اور انہوں نے اس کی اصلاح کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء بھی کی ہوگی، اور تبلیغ و نصیحت بھی کی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء اور وعظ و نصیحت کی برکت سے اس کو رشد و ہدایت نصیب فرمائی ہوگی، اور اس

طرح اس کا غرق شدہ بیڑا پار ہوا ہوگا، مگر عوام کالانعام نے رائی کا پہاڑ بنا کر اس سے حتیٰ دریا اور حتیٰ بیڑا سمجھ کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے قطع نظر اس سے کہ مافوق الاسباب طریق پر مخلوق کے اختیار میں کسی کا نفع و ضرر نہیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ادنیٰ مسلمان کی یہ خوبی اور صفت بیان فرمائی ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (بخاری جلد ا ص۶) کہ مسلمان وہی ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں جب ادنیٰ مسلمان کے لیے یہ خوبی لازم ہے تو ولی کامل کے حق میں یہ کیوں کر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک سیر دودھ یا سیر چاول کے نہ ملنے کی وجہ سے یوں برہم ہو جائے، اور جوش انتقام سے لبریز ہو کر عین شادی کے موقع پر نوجوانٰ کا مع معزز براتیوں کے کیوں کہ بیڑے میں آخر وہ بھی تو ہوں گے) بیڑا غرق کر دے، کون مسلمان اس افسانہ اور رام کہانی کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ اور حتیٰ کہ ان جاہلوں کے نزدیک موصوف نے ملک الموت سے ایک موقع پر ارواح کی زنبیل اور تھیلا بھی چھین لیا تھا، تو ایسے قادر کا جتنا تقرب ہوگا، اتنا ہی مفید رہے گا، معاذ اللہ یہ باطل نظریہ قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع امت اور روحِ اسلام کے سراسر خلاف ہے، اور تقرب کے نظریہ سے گیارہویں دینا اور کھانا حرام اور شرک ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۹ھ

ۓ مفتی احمد یار خان صاحب کی گپ:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتیٰ کے چند معجزات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور غوث پاک نے بارہ برس کی ڈوبی ہوئی برأت کو زندہ فرمایا ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں اس دولہا کی قبر گجرات پنجاب میں ہے۔ اس کا نام کبیر الدین ہے اور شاہ دولہ کے نام سے مشہور ہیں حضور غوث پاک کے خلیفہ ہیں، ان کی قبر شریف زیارت گاہ خاص و عام ہے انتہیٰ (تفسیر حاشیہ قرآن طبع لاہور ص۸۸)

یاد رہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات ۵۶۱ھ میں اور حضرت شاہ دولہ کی ۱۰۷۵ھ میں ہوئی ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ماکولات ومشروبات و دیگر اموال را نیز از راہِ تقرب لغیر اللہ دادن حرام وشرک است۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۵۶)

کھانے اور پینے کی چیزیں اور اس طرح دیگر اموال کو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے دینا حرام اور شرک ہے۔

اور بعض لوگ جو بزعم خود بڑے محتاط قسم کے ہوتے ہیں، وہ تقرب لغیر اللہ کی نیت تو نہیں کرتے، وہ گیارہویں کو صرف ایصال ثواب کی مد میں تصور کرتے ہیں بلاشبہ نفس ایصال ثواب جائز اور صحیح ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور مالی قسم کے صدقہ میں جملہ ائمہ فتوی متفق ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایصال ثواب کے لیے پوری امت میں سے صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ کیا یہ ایصال ثواب کسی اور کو راس نہیں آتا؟ اور کیا حضرت شیخ صاحبؒ سے کم یا ان کے مساوی یا ان سے زیادہ افضل امت میں کوئی اور بزرگ نہیں گذرا؟ آخر ان کے لیے ایصال ثواب کیوں نہیں کیا جاتا اور یہ گیارہویں کا ایصال ثواب صرف حضرت شیخ صاحبؒ سے ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے؟ پھر یہ بات بھی نہایت قابل غور ہے کہ عوام الناس اپنے ماں باپ اور دیگر لواحقین کو گیارہویں کی شکل میں ایصال ثواب کیوں نہیں کرتے، جن میں سے کسی کی نمازیں، کسی کے روزے اور کسی کی دیگر نیکیاں چھوٹ گئی ہوں گی، اور اغلب ہے کہ بہت سے گناہ کئے ہوں گے، عجیب بات ہے کہ محتاجوں کو تو ایصال ثواب نہ کیا جائے جو دریا میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اپنے وارثوں کے صدقات وخیرات اور دعاؤں کے منتظر رہتے ہوں، اور اس بزرگ کو ایصال ثواب کیا جائے جو بفضلہ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہو، اور جن کی چند نیکیاں بھی اگر موجودہ امت کے گنہگاروں پر تقسیم کی جائیں تو انشاء اللہ ان سب کا بیڑا پار ہو جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نادار ومفلس اور بھوکے کو تو کھلانا کار ثواب نہیں،

لیکن غنی و امیر اور سیر شکم کو کھلانا موجب اجر ہے، یہ عجیب اور نرالی منطق ہے، اس بات کی تہ تک اگر قارئین کرام کی رسائی ہو جائے تو وہ سمجھ سکتے ہیں اگر گیارہویں کو ایصال ثواب کی مد میں رکھنا بھی کسی طرح خدشہ سے خالی نہیں ہے، پھر مستزاد برین ایصال ثواب کے لیے ہر مہینہ کی صرف گیارھویں تاریخ ہی کیوں متعین ہے؟ کیا آگے پیچھے کی تاریخیں ایصال ثواب میں کوئی رکاوٹ پیدا کرتی ہیں؟ اور کیا ان تاریخوں میں حضرت شیخ صاحبؒ کو ثواب کی ضرورت نہیں ہوتی؟ اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا ہے، کہ کسی جگہ تو گیارھویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں، اور کسی دوسری جگہ بارھویں اور تیرھویں کو، وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارھویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے، لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوجھل رکھتے ہیں وہ یہ کہ اس طریقہ سے ان کے بطن مبارک کے لیے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی، آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے مگر انتظام سب پیٹ کا ہے، اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں

لطیفہ:۔ اکثر مقامات پر اہل بدعت حضرات سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی الحنبلی (المتوفی ۵۶۱ھ) کے نام پر گیارھویں دینے کو اہل السنت والجماعت کی ایک بین علامت قرار دیتے ہیں اور گیارھویں نہ دینے والے کو بزعم خویش اہل السنت والجماعت کا فرد تصور نہیں کرتے، گویا ان کے نزدیک سنی اور غیر سنی کے لیے جو معیار اور مقیاس مقرر ہے، اس کا ایک رکن گیارھویں دینا بھی ہے، اب آیئے ہم آپ کو خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے اہل السنت والجماعت کا معنی اور تفسیر بتا دیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

فعلی المؤمن اتباع السنۃ والجماعۃ	پس مومن پر لازم ہے کہ وہ سنت اور جماعت
فالسّنۃ ما سنّہ رسول اللہ صلی	کی پیروی کرے سو سنت تو وہ ہے جس کو

اللہ علیہ وسلم والجماعة ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین المھدیین رحمۃ اللہ علیھم اجمعین وان لا یکاثر اھل البدع ولا یدانیھم ولا یسلم علیھم الخ (غنیۃ الطالبین ص۱۹۵ طبع لاہور مع ترجمۃ الاردویۃ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جاری فرمایا ہے، اور جماعت وہ ہے جس پر حضرات صحابہ کرامؓ نے چاروں ہدایت یافتہ آئمہ خلفاء راشدینؓ کی خلافت میں اتفاق کیا ہو اور (مومن پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ) اہل بدعت کی کثرت کا سبب نہ بنے اور نہ ان کے نزدیک جائے اور نہ انہیں سلام کیے۔

حضرت شیخ صاحبؒ کی اس واضح عبارت کے پیشِ نظر سوال یہ ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گیارھویں دینے کا حکم اجرا فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کے لیے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے، اور پھر گیارھویں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں اس کے بعد آیئے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کے دور کی طرف کہ کیا ان کی خلافت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارھویں پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہوا ہے؟۔ اگر ایسا ہوا ہے تو چشم ماروشن دلِ ماشاد، صحیح حوالہ درکار ہے، اگر یہ ثابت ہے کہ انہوں نے گیارھویں دی یا ایصال ثواب کے لیے امت مرحومہ میں سے کسی ایک ذات کا انتخاب کیا تھا یا ایصال ثواب کے لیے انہوں نے کسی دن کی تعیین پر اتفاق کیا ہے، اور خلافت راشدہ میں ایسا ہوتا رہا ہے تو گیارھویں جماعت کے مفہوم میں داخل ہوگی، اور اگر ایسا نہیں کیا (اور یقیناً ایسا نہیں کیا، کیونکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت

باسعادت تو ۴۹۰ھ کے بعد ہوئی ہے، وہ بھلا انکی ولادت سے پہلے ہی گیارھویں کیسے دے دیتے) تو یقین جانئے کہ اہل السنت والجماعت کی تعریف خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک صرف اسی شخص پر صادق آتی ہے جو گیارھویں نہیں دیتا، اور جو شخص گیارھویں دیتا ہے، وہ ان کے اس صریح حوالہ کے رُو سے ہرگز سُنّی نہیں ہے بلکہ بدعتی ہے، جس کے پاس مومن کے لیے وہ نزدیک ہونے اور سلام کہنے کو بھی منع کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سینہ زوری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک خالص بدعت کو سنت کہا جاتا ہے، اور اس کو اہل السنّت والجماعت کی علامت قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت کے عقائد و اعمال اور اخلاق و نظریات کو ترک کرنا ہی خروج عن السنۃ ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

واما ترک السُّنۃ فالخروج عن الجماعۃ (المستدرک جلد ۱ ص ۱۲۰ قال الحاکم والذہبی صحیح شرط مسلم)	بہرکیف ترک سنت یہ ہے کہ جماعت (صحابہؓ) سے خروج کیا جائے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :۔

اقول الفرقۃ الناجیۃ ھم الآخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعاً بما ظھر من الکتاب والسنۃ وجری علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین الیٰ ان قال وغیر الناجیۃ کل فرقۃ انتحلت عقیدۃ خلاف عقیدۃ السلف او عملاً دون اعمالھم (جلد ۱ ص ۱۰۱ حجۃ اللہ البالغۃ)	میں کہتا ہوں کہ ناجی وہ فرقہ ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں اس چیز پر عمل پیرا ہو جو کتاب اور سنت سے ظاہر ہے اور جس چیز پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا عمل تھا۔ (پھر آگے فرمایا کہ) اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف صالحین کے عقیدہ کے خلاف کوئی عمل اپنا لیا ہے۔

بریلوی حضرات کو ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہیئے کہ جو عقائد اور اعمال انہوں نے اختیار کر رکھے ہیں، اور دن رات جن کی نشر و اشاعت میں وہ کوشاں ہیں آیا یہ عقائد اور اعمال حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور سلف صالحین کے تھے؟ اگر تھے تو نجات انہی میں ہے اور اگر یہ عقائد اعمال ان کے نہ تھے، تو اپنی نجات کی فکر کریں ایسا نہ ہو کہ کل پچھتانا پڑے گا۔

فریب خود کو دیلے اور خود ہی پچھتائیے

علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مستحب پر اصرار کرنا بھی بعض اوقات مستحسن نہیں ہوتا چہ جائیکہ بدعت اور مکروہ پر اصرار ہو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں کوئی شخص اپنی نماز میں سے شیطان کے لیے حصہ نہ ٹھہرائے بایں طور کہ اپنے ذمہ یہ لازم سمجھ لے کہ نماز کے بعد دائیں طرف ہی پھرنا ہے (حالانکہ تیمن کا استحباب صحیح احادیث سے ثابت ہے) کیونکہ بیشک میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا اوقات بائیں طرف پھرتے بھی دیکھا ہے (متفق علیہ مشکوٰۃ جلد ا ص۸۷) اس کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال الطیبی وفیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر وجاء فی حدیث ابن مسعودؓ ان اللہ عز وجل یحب ان توتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ اھ (مرقات جلد ۲ ص۳۵۳ طبع ملتان)	امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس شخص نے کسی مستحب امر پر اصرار کیا، اور اسی پر جما رہا اور رخصت پر عمل نہ کیا تو بلاشبہ شیطان نے اس کو بہکایا سو کیسے ہو گا وہ شخص جو بدعت یا برائی پر پر اصرار کرتا ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے ضروری احکام پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے، اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند کرتا ہے۔

تیجہ اور چالیسواں وغیرہ جناب مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ تیجہ اور چالیسواں وغیرہ بھی مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی تفسیر میں داخل ہیں یہ ان کی نہایت جسارت اور قلتِ تدبر کی واضح مثال ہے جن امور کو فقہاء مذاہب اربعہ اور علی الخصوص فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم بدعت اور مکروہ وغیرہ کہتے ہوں وہ بھلا قرآن کریم کے اس حکم میں کس طرح داخل سمجھے جا سکتے ہیں ؟ راہِ سنت میں ہم نے اس کی باحوالہ سیر حاصل بحث کر دی ہے، صرف ضروری ضروری چند عبارتوں کا ترجمہ ہم یہاں عرض کئے دیتے ہیں :۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ (المتوفی ۷۳۷ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

بعض لوگوں نے یہ بدعت نکالی ہے کہ میت کے تیجہ پر طعام تیار کرتے ہیں، اور یہ ان کے نزدیک معمول بہ کام بن گیا ہے۔ (مدخل جلد ۳ صـ۲۷۵)

امام ابن حجر مکی شافعیؒ (المتوفی ۹۷۵ھ) سے سوال کیا گیا کہ میت کے تیسرے دن فقراء وغیرہ کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے، اور اسی طرح ساتویں دن، اس کا کیا حکم ہے ؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ سوال میں جتنی چیزیں ذکر کی گئی ہیں وہ سب کی سب بدعات مذمومہ ہیں۔ (فتاوی کبریٰ جلد ۲ صـ۷)

امام کردری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ پہلے دوسرے اور تیسرے دن طعام تیار کرنا بھی مکروہ ہے، اور اسی طرح ہفتہ کے بعد اور عید کے موقع پر اور موسم موسم قبروں پر طعام لے جانا بھی مکروہ ہے (فتاوی بزازیہ جلد ۴ صـ۸۱ طبع مصر)

امام نوویؒ الشافعی شرح منہاج میں لکھتے ہیں کہ مخصوص دنوں کے اندر روٹی کھلانا، مثلاً تیجہ، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں اور چالیسواں دن اور چھٹا مہینہ اور سال کے بعد یہ سب کے سب بدعتِ ممنوعہ ہیں۔ (بحوالہ انوار الساطعہ صـ۱۰۵)

حضرت ملا علی ن القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے فقہاء کرامؒ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح

ہفتہ تک کے بعد طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔ (مرقات جلد ۵ ص ۴۸۲)

قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم وچہلم وششماہی و برسینی ہیچ نکنند
(وصیت نامہ مع مالا بد منہ ص ۱۹۱)

میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں مثلاً دسواں اور بیسواں، اور چالیسواں اور ششماہی اور سالانہ (یعنی عرس) کچھ بھی نہ کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

دیگر از عادات شنیعۂ ما مردم اسراف است در ماتمہا و سیوم وچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آنست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام شان یک شب و روز رسمے نباشد۔
(تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ ص ۲۴۷)

اور ہم لوگوں کی بُری عادتوں سے موت کے بعد تیسرے، چہلم، ششماہی اور سالانہ فاتحہ کے موقع پر اسراف کرنا بھی ہے عرب (واسلام) کے ابتدائی دور میں اِن امور کا کوئی وجود نہ تھا، اور مصلحت اسی میں ہے کہ تین دن تک میت کے وارثوں کی تعزیت اور ان کی صبح و شام کے کھانے کے بغیر اور کوئی رسم نہ ہو۔

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی چشتیؒ (المتوفی فی حدود ۸۰۰ھ) کے مرید مولانا محمد یوسف صاحبؒ زیارتِ قبور کے لیے اپنی طرف سے دنوں کی تعیین کرنے کے بدعت ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

میدان زیارت سنت است لیکن زیارت روز و شب
معہود سیوم ہفتے وان ہمہ مسکین حذر (تحفہ نصائح)

مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واو را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب

علی التخصیص تیسرے دن کا اور اس طرح اور دنوں کا مقرر کرنا اور ان کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ)

آں را مکروہ نوشتہ و راہ تخصیص بگذارند وہر روزیکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند۔

(مجموعہ فتاوی جلد ۳ ص۔)

سے ثابت نہیں ہے مصنف کتاب نصاب الاحتساب نے اسکو مکروہ لکھا ہے تخصیص کی راہ چھوڑ دیں اور جس دن چاہیں میت کی روح کو ثواب پہنچائیں۔

اِن تمام حوالوں سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اپنی طرف سے دنوں کی تعیین اور تیجہ، اور چالیسواں وغیرہ بدعت مکروہ اور مذموم حرکتیں ہیں خیر القرون میں ان کا کوئی وجود نہ تھا، اگر یہ اُمورِ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے مفہوم میں شامل ہوتے تو یہ اکابر علماءِ اسلام کبھی ان کو بدعت نہ فرماتے اور یہ ہرگز نہ کہتے کہ شریعت محمدیہ میں ان کا ثبوت نہیں اور ان امور کے ترک کی وصیت کرنے کی ان کو ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اور امت مسلمہ کو پرہیز کرنے کی وہ تلقین ہی نہ کرتے۔

مولوی نعیم الدین صاحب کی کتنی بڑی جسارت ہے کہ وہ بدعت اور مکروہ چیز کو قرآن کریم کے حکم میں داخل کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر بے باکی اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی تیجہ وغیرہ کی تعیین کو اصولی طور پر بدعت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ امام بزازی ؒ وجیز میں فرماتے ہیں۔ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔ یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں (بلفظہٖ احکام شریعت حصہ سوم ص۱۹۲)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہیں، جب چاہیں کریں، انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت۔ (مجموعہ فتاوی قلمی مؤلفہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جلد ۴ ص۲۱۰۔ کتاب الحظر والاباحۃ)

اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے، یا

اُس دن زیادہ پہنچے گا، اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے (الحجۃ الفاتحہ ص ۱۴)

حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ جس چیز کو فریق مخالف کے اعلحضرت بھی بدعت کہتے ہوں، وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے؟ مگر یاد رہے، کہ تیجہ اور چالیسواں وغیرہ اس صورت میں بدعت اور مکروہ ہیں جب کہ ان میں یتیموں کا حق نہ ہو، ورنہ ان کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفاتِ دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام۔	بہر حال تیسرے دن کا یہ مخصوص اجتماع اور دوسرے تکلفات کا ارتکاب کرنا اور یتیموں کے حق سے بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۲۱ طبع نولکشور)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کس دیدہ دلیری سے بدعت، مکروہ، اور غیر شرعی امور اور محض اپنی دل پسند چیزوں کو حکم قرآنی میں داخل کر لیا ہے فواسفا۔ غالباً ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

جب تیجہ وغیرہ دلائل واضحہ کے رُوح سے بدعت قرار پائے تو ان کے ساتھ قرآن شریف اور کلمہ وغیرہ پڑھ کر دوسرے ثواب کی آرزو رکھنا، جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب سمجھے بیٹھے ہیں، خالص ہوائی قلعہ ہے اور اس کی حیثیت تارِ عنکبوت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، بلاشبہ قرآن شریف اور کلمہ پڑھنا باعثِ اجر و ثواب ہے، مگر وہیں جہاں شریعت نے بتلایا ہے، اگر کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن شریف اور کلمہ وغیرہ پڑھنا باعثِ اجر ہوتا، تو حضرات صحابہ کرامؓ جو ہر خیر میں بڑھے ہوئے تھے اس کو کبھی ترک نہ کرتے، ان کو قرآن کریم بھی یاد تھا، اور کلمہ بھی اور ان کے

مفہوم کو بھی وہ بخوبی جانتے تھے، حافظ ابن کثیرؒ نے بدعت کی تعریف میں کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ :-

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فی كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة لانه لو كان خيراً لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها انتهى (تفسیر ابن کثیر ص۱۵۶ ج۴ طبع مصر)

بہرحال اہل السنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل و قول حضرات صحابہ کرام رض سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے، کیونکہ اگر وہ کوئی بھلائی کی چیز ہوتی تو وہ اس میں ہم سے سبقت لے جاتے کیونکہ انہوں نے امور خیر میں سے کوئی امر ایسا نہیں چھوڑا جس کی طرف انہوں نے سبقت نہ کی ہو۔

الغرض باوجود داعیہ اور محرک کے جو چیز حضرات صحابہ کرام رض سے ثابت نہ ہو، اور صاحب شرع کی اس پر ترغیب و تحریض بھی موجود نہ ہو یا کسی چیز میں اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کی تعیین کر لی جائے تو وہی چیز بدعت ہوتی ہے، جس سے سُنّت کی مخالفت لازم آتی ہے جو حرام ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

وہر چیز کہ براں ترغیب صاحب شرع و تعیین وقت نہ باشد آں فعل عبث است و مخالفِ سنت خیر الانام و مخالفتِ سنت حرام، پس ہرگز روا نہ باشد۔ (فتاوی عزیزی جلد ا ص۹۴)

اور جس پر صاحب شرع سے ترغیب اور وقت کی تعیین موجود نہ ہو وہ فعل عبث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ہو وہ حرام ہے، پس ہرگز وہ جائز نہیں۔

کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کے لیے اس پر کچھ پڑھنا ہندوستان کی پیداوار ہے اور دیگر کسی اسلامی ملک میں اس کا رواج نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور بریلوی مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں رائج نہیں ۔ انتہی (بلفظہٖ تحفۃ الاحباب ص۱۲۲) اور یہ رسم ہندوستان کے ہندوؤں سے ماخوذ ہے چنانچہ مشہور نومسلم عالم مولانا عبیداللہ صاحبؒ (جو پہلے پنڈت تھے) لکھتے ہیں کہ لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا اُس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب کا نام سرادھ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے، وہ ان کی زبان میں ابھشرمن کہلاتا ہے، اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں (بلفظہٖ تحفۃ الہند ص۹۱) کلمہ گو مسلمانوں نے اس میں صرف اتنا تغیر کیا ہے کہ بید کی جگہ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور پنڈت کی جگہ حتمی مُلّا نے لے لی ہے، اور یہ خالص ہندوستانی رسم ہے ایسی وجہ ہے کہ اس رسم کا وجود ہندوستان کے بغیر اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا کھانے کے بارے میں جو چیز سنت سے ثابت ہے، وہ صرف اس قدر ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، اور کھانے سے فارغ ہو چکنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا الخ دعا پڑھی جائے، ہاں تبرک اور علاج کے طور پر کسی چیز پر کچھ پڑھ کر کسی کو دینا یہ بھی درست ہے، اور صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ہے مگر ایصال ثواب کے لیے جو کھانا فقراء کو دیا جاتا ہے، اس کو سامنے رکھ کر اس پر قرآن وغیرہ کچھ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے، اور یہ خالص بدعت ہے، اور یہ بالکل ایک واضح حقیقت ہے کہ شریعت کے کسی مطلق حکم کو اپنی رائے سے مقید کر دینا شریعت کے حق پر دست اندازی ہے، اور یہ تبدیل شریعت کے مترادف ہے۔ چنانچہ علامہ ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

فالتقیید فی المطلقات التی لم یثبت بدلیل الشرع تقییدھا رأی فی التشریع فکیف اذا عارضہ الدلیل	اُن مطلق احکام میں قید لگانا جن کی قید کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے اپنی رائے سے شریعت بنانے کے مترادف

الی ان قال لان اعتقاد مالیس بسنة والعمل بها علی حد العمل بالسنة نحو من تبدیل الشریعة اھ (الاعتصام جلد ۱ ص۲۸۴)	ہے، اور خصوصاً جب کہ اس کے مقابلے میں دلیل موجود ہو (پھر آگے فرمایا) کیونکہ جو چیز سنت نہیں اس کے سنت ہونیکا اعتقاد کرنا، اور اس پر ایسے انداز سے عمل کرنا جیسے سنت پر (پابندی سے) عمل کیا جاتا ہے، تبدیل شریعت کے مساوی ہے۔

اور آپ جہاں تک غور فرمائیں گے جملہ بدعات میں آپ کو یہ بات نمایاں طور پر نظر آئیگی، کہ مثلاً کہیں تو ایصال ثواب کی مطلق دلیلوں سے دنوں اور مہینوں کی قید لگا کر ایصال ثواب کا ثبوت فراہم کیا جائے گا اور کہیں تبرک اور علاج کے طور پر کسی کھانے پر کچھ پڑھنے سے ایصال ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کے جواز پر استدلال ہوگا اور کہیں نفس ذکر اور درود شریف کے پڑھنے سے ذکر بالجہر اور مل جل کر۔ یا اذان کے بعد یا قبل چلّا چلّا کر درود شریف کے پڑھنے پر احتجاج ہو گا، اور اسی طرح کہیں کچھ ہو گا، اور کہیں کچھ ہو گا، اور ان مخترعہ امور پر اس شدت سے اصرار ہو گا کہ سنت بھی منہ تکتی رہ جائے گی اور بعض اوقات تو سنّت کے مقابلہ میں بدعت کو اس انداز سے ترجیح دی جاتی ہے، کہ بدعت معاذ اللہ سنت دکھائی دیتی ہے، اور سنت سے بدعت کا سا معاملہ کیا جاتا ہے، اور سُنّی اور بدعتی کو پرکھنے کا معیار ہی سوءِ اتفاق سے بدعات کا وجود نامسعود قرار دیا جاتا ہے اس بدترین انقلاب پر جتنا بھی افسوس کیا جائے، اتنا ہی کم ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا

فائدہ :۔

بعض اہل بدعت کھانے پینے کی بدعات کی ترویج و اشاعت اور اہل حق سے تنفّر اور عناد کو اجاگر کرنے کے لیے عوام الناس کو فتاوی رشیدیہ کی دو عبارتوں کا تقابل کر کے مغالطہ میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً ایک عبارت یہ ہے۔

سوال :۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں، یا

پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ درست ہے۔ رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ مبوب ص۴۸۸)

اور دوسری عبارت یہ ہے:۔

سوال:۔ محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایت صحیح یا بعض ضعیف بھی و نیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے نہیں؟

جواب:۔ محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگرچہ بروایت صحیح ہو یا سبیل لگانا، شربت پلانا، چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۴۷ و ص۱۴۸)

بعض اہل بدعت کہا کرتے ہیں کہ ہندو اور غیر مسلم کا چندہ اور تحفہ تو حلال ہو گیا جس میں سود وغیرہ بھی شامل ہوگا، لیکن مسلمان کا چندہ اور سبیل وغیرہ لگانا نادرست ہو، حالانکہ مسلمان کی کمائی اغلب ہے کہ حلال ہوگی، ان عبارات کے متعلق اور شوشے بھی چھوڑے جاتے ہیں مگر مرکزی بات یہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے، مگر ان نادانوں نے اس بات کو نہ سوچا کہ فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اس نے شراب فروخت کی ہو، یا سود لیا ہو، اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کی ہو، یا عصمت فروشی کے بعد رقم حاصل کی ہو، جب وہ رقم مسلمان کے ہاتھ میں آجائے گی، اور تبدلِ ملک ہو جائے گا تو وہ حلال اور طیب ہو جائے گی۔ علامہ ابن نجیم الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ مسلمان کے لیے سب سے اعلیٰ درجہ کی کمائی وہ ہے جو جہاد میں کافروں سے حاصل ہوتی ہو، پھر تجارت، پھر زراعت اور پھر دستکاری وغیرہ سے حاصل کی ہوئی آمدنی (البحر الرائق جلد ۵ ص۲۶۲ طبع مصر) اگر آپ اس سے زیادہ تفصیل چاہتے ہیں تو

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب سے سنیئے وہ ایک استفتاء کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

سوال (۶) اگر کافر مسجد میں صف پا دے، اور اس کا اکثر مال رِبوٰا (سُود) کا ہو تو صف کا کیا حال ؟ (فتاویٰ مہریہ ص۲۲۷)

جواب سوال ششم :- کافر نے جو صف مسجد میں بچھائی ہے اس پر نماز پڑھنی جائز و درست ہے، کیونکہ کافر کا کل مال حلال ہے خواہ ربا سے حاصل کیا ہو یا غیر ربا مثل تجارت وغیرہ سے پیدا کیا ہو انتہٰی (فتاویٰ مہریہ ص۲۲۹) لیجیئے اب تو فیصلہ ہی ہو گیا، اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں ؟ -

جہارم - ص۵ ۱۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ الآیۃ کی تفسیر میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ - مِنَ النَّاسِ فرمانے میں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات و انسانی کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر کسی وصف و خوبی کے ساتھ نہیں کیا جاتا، یوں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی ہیں مسئلہ :- اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے، اس لیے قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے اھ

تنقید :-

نہ تو یہاں لفظ بشر ہے، اور نہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے بلکہ اس مقام پر مِنَ النَّاس کا لفظ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی تردید فرمائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے بزور اپنا گندہ عقیدہ یہاں ٹھونسنے کی لاحاصل کوشش کی ہے اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے قرآن و حدیث، اجماع اُمت کے مسلّمہ اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف

کہا ہے ۔ اوّلاً اس لیے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے نہ کہ کسی مسلمان کا معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی برتری فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے ۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا ، تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں بجنے والی مٹی اور سڑے ہوئے گارے سے بشر پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا ، فرشتوں نے بلا قیل و قال تعمیل حکم میں سجدہ کیا مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا ۔

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۔

(پ ۱۴ - الحجر - ۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا ؟ وہ بولا میں نہ تھا کہ بشر کو سجدہ کرتا جس کو تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے گارے سے پیدا کیا فرمایا تو نکل جا یہاں سے بیشک تو مردود ہے ، اور تجھ پر قیامت کے دن تک پھٹکار ہے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ بشر اور آدمی کو کم درجے کا سمجھنا ابلیس لعین کا نظریہ ہے جس پہ تا قیامت اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی رہے گی اور وہ مردود و ملعون ٹھہرا رہے گا ۔ اور بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں (اور فرشتہ صفت لوگوں) کا کام ہے ۔ اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے ۔ تو وہ ابلیس کے طریقہ کو اپنا رہا ہے اور اس کو اپنا مقام خود سمجھ لینا چاہیئے کیونکہ ؎

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

وثانیاً اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب قرآن کریم کے ذریعہ جس کو امت مرحومہ کے

خواندہ حضرات مرد و زن پیر و جوان از شرق تا غرب از شمال تا جنوب شب و روز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا ہے کہ :۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ۔ (الآیۃ پ۱۶، کہف ۱۲) — تو کہہ کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے۔

یعنی میں بھی بشر ہوں جیسے تم بشر ہو اور تمام لوازمات بشریہ مجھ میں پائے جاتے ہیں جیسے تم میں ہیں، ہاں میرا اور تمہارا فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے، جس کی بدولت میرا نام اور مقام بہت بلند ہو گیا ہے، اگر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے میں توہین کا ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا تو پروردگار عالم کبھی یہ اعلان نہ کرواتا، اور قرآن کریم جیسی اٹل کتاب میں پروردگار عالم آپکی بشریت کا ذکر نہ کرتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بشر میں توہین اور بے ادبی کا پہلو نکالنا خالص ایجاد بندہ اور اخلاقی پستی کا عبرتناک مظاہرہ ہے، اور دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ مشرکین مکہ نے تعصب و عناد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند فرمائشی نشانات طلب کئے تھے جو حکمتِ خداوندی کے خلاف تھے، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یوں ارشاد فرمایا کہ :۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵، بنی اسرائیل ۱۰) — تو کہہ سبحان اللہ میں تو نہیں ہوں مگر بشر رسول۔

اگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بشر کہنے میں بے ادبی اور توہین کا ادنیٰ شائبہ تک بھی پایا جاتا ہے تو رب العزت آپ کو کبھی یہ اعلان کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اب اس صریح اور واضح حکم کے بارے میں مسلمان کیا عقیدہ رکھیں اور کیا سمجھیں؟ آیا وہ آپ کو بشر تسلیم کریں یا نہ؟ مولوی نعیم الدین صاحب نے جہاں جانا تھا سو وہ تو وہاں پہنچ چکے ہیں، اب ان کے حواری ہی یہ لاینحل عقدہ حل کر دیں کہ مسلمان کیا عقیدہ رکھیں؟ ثالثاً خود آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (الحدیث) (بخاری جلد ۱ ص ۵۸ و مسلم جلد ۱ ص ۲۱۳) کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں اور ایک روایت میں آتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا اللھم انما انا محمد بشر یغضب (الحدیث) مسند احمد جلد ۲ ص ۴۹۳) اے میرے پروردگار میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بشر ہوں مجھے غصہ بھی آجاتا ہے۔

اور خطبۂ کسوف کے موقع پر آپ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا ایھا النّاس انما انا بشر رسول (الحدیث) (موارد الظمآن ص ۱۵۸) اے لوگو پختہ بات ہے کہ میں تو بشر رسول ہوں۔ اور حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص مقام اور مخصوص موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

الا یا ایھا الناس انما انا بشر یوشك ان یأتینی رسول ربی عزّوجل فاجیب (الحدیث) (مسند احمد جلد ۴ ص ۳۶۷ واللفظ له ودارمی ص ۴۲۴ ومسلم جلد ۲ ص ۲۷۹ وسنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۱۴)	خبردار اے لوگو پختہ بات ہے کہ میں تو بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب تعالیٰ کا قاصد (ملک الموت) آجائے اور میں اس کے حکم کی تعمیل کروں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ نے جو قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ایک موقع پر آپ کو بشر کہا۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۱۰۶) اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے بھی آپ کو بشر کہا۔ (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۱۰۸)

ترجمان القرآن حبر الامت حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی مذکور ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قد مات وانہ بشر الحدیث (دارمی ص۲۳)	کی وفات ہو چکی ہے کیوں کہ بتاکید آپ بشر تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے (کان بشراً من البشر) شمائل ترمذی ص۲۴ وادب المفرد ص۷۹ للامام بخاریؒ اور موارد الظمآن ص۵۲۵ میں ان کی روایت یوں ہے۔

قالت ما کان الا بشراً من البشر الخ	حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر بشر میں سے بشر۔

کیا یہ حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہہ کر مسلمان رہے یا معاذ اللہ کافر ہو گئے؟ اور کیا ان حضرات نے آپ کو بشر کہہ کر ادب کا پہلو ملحوظ رکھا ہے یا العیاذ باللہ توہین و بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے؟ اور کیا آپ کو بشر سمجھنا حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی رائج تھا یا کفار کا دستور تھا؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھنے اور کہنے میں ادنیٰ سی توہین اور بے ادبی کا پہلو بھی نکلتا یا آپ کو بشر کہنے کی وجہ سے آپ کے فضائل و کمالات کے انکار کا احتمال اور شائبہ بھی لازم آتا تو یقین کامل ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اس گستاخی، اس توہین اور اس بے ادبی کا ہرگز کبھی بھی ارتکاب نہ کرتے، کیونکہ وہ تو آپ کی ادنیٰ ترین گستاخی کرنے والے کو قابلِ گردن زدنی سمجھتے تھے، و رابعاً تمام علماء اسلام اور فقہاءِ ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ اس کا بلاخوفِ تردید اظہار اور اعلان کرتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ المالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قد قدمنا انہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء والرسل	بلاشبہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام حضرات

من البشر وان جسمه وظاهره خالص للبشر يجوز عليه من الآفات والتغيرات والآلام والاسقام وتجرع كأس الحمام ما يجوز على البشر وهذا كله ليس بنقيصة فيه الخ

(الشفاء جلد ۲ ص۱۵۲ طبع مصر)

انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور آپ کا جسم مبارک اور ظاہر خالص بشری تھا آپ پر وہ سب کچھ جائز ہے۔ جو اور انسانوں پر طاری ہو سکتا ہے، مثلاً تکالیف، مصائب آلام، بیماریاں، اور موت کا پیالہ پینا وغیرہ اور ان سب امور کی وجہ سے آپ کی شان میں کوئی کمی اور نقص نہیں آتا۔

یہ عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن اور صاف ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، اسی کے قریب الفاظ ہیں علامہ محی الدین برکلی الحنفیؒ (المتوفی ۱۵۲ھ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کے (ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء من البشر محصلہ) ملاحظہ ہو طریقہ محمدیہ ص۱۱ طبع مصر، وتکمیل الایمان طبع لکھنؤ ص۳۷)

امام محمد بن محمد الکردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولان النبي عليه السلام بشر والبشر جنس يلحقهم المعرة الا من اكرمهم الله اھ (فتاوی بزازیہ جلد ۶ ص۳۱۱ برحاشیہ عالمگیری طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور اور بشر ایک ایسی جنس ہے جس کو عیب لاحق ہو سکتا ہے، ہاں مگر جن کو اللہ تعالیٰ عزت بخش دے۔

اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عصمت کی بلند پایہ خلعت سے نوازا ہوتا ہے، اور وہ معصوم ہوتے ہیں۔

اور علامہ جلال الدین الدوانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

النبي هو انسان بعثه الله

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی

تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ ما اوحیٰ الیہ۔ (شرح عقائد جلالی ص۲)

طرف تبلیغِ احکام کی خاطر مبعوث کرتا ہے۔

بشر، آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں، اور اس عبارت سے واضح ہوا کہ نبی انسان ہوتا ہے۔ محقق احناف حافظ ابن الہمام الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق (المسایرہ مع المسامرہ جلد۲ ص۸۳ طبع مصر)

تحقیق سے نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نازل کئے ہوئے احکام کی تبلیغ کے لئے مبعوث کرتا ہے، اور اسی کو رسول کہتے ہیں سو (اس لحاظ سے) دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی کے قریب الفاظ ہیں شرح عقائد ص۱۴ و ص۹۸ للعلامۃ التفتازانی (المتوفی ۷۹۲ھ) اور ملا صادق علی العضدیۃ ص۱۲ اور رشیدیہ ص۵ وغیرہ عقائد اور علم مناظرہ کی مستند کتابوں میں اور امام جلال الدین السیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاشہر فی معنی الرسول انہ انسان اوحی الیہ بشرع وامر بتبلیغہ فان لم یؤمر فنبی فقط (تدریب الراوی ص۱۹ طبع مصر)

رسول کے معنی میں مشہور یہ ہے کہ وہ ایسا انسان ہوتا ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی جاتی ہے، اور تبلیغ شرع کا مامور ہوتا ہے اور اگر اُسے تبلیغ شرع کا حکم نہ ہو تو فقط نبی ہوتا ہے۔

یعنی اگر جدید شرع اور نئے احکام کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ رسول ہوتا ہے اور اگر جدید شرع کی تبلیغ کا حکم نہ ہو بلکہ پہلی شریعت کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ نبی ہوتا ہے۔

امیر یمانی محمد بن اسمٰعیلؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وفی لسان الشرع عبارۃ عن انسان انزل علیہ شریعۃ من عند اللہ بطریق الوحی فاذا امر بتبلیغہا الی الغیر سمی رسولا اھ

اور شریعت کی اصطلاح میں نبی اُس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ شریعت نازل کی گئی ہو اور جب اُسے دوسرے لوگوں کی خاطر اس شریعت کی تبلیغ کا حکم

(سبل السلام جلد ا ص۱۵ طبع مصر) دیا گیا ہو تو اُسے رسول کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اور رسول شریعت کی اصطلاح میں اُس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ شریعت نازل کی گئی ہو اور جب دوسروں کو تبلیغ کرنے کا بھی مامور ہو تو وہ رسول ہے، چونکہ زمین کی خلافت ونیابت انسان کے حوالہ کی گئی ہے، اس لیے حکمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح اور رشد وہدایت کے لیے انسان اور بشر ہی رسول مبعوث ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝	اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب پہنچی ان کے پاس ہدایت مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر کو رسول بناکر بھیجا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ کفار اور مشرکین کو ایمان لانے سے ان کا یہ نظریہ مانع رہا کہ بشر کو رسالت کیونکر مل سکتی ہے جبھی تو انہوں نے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا ہے؟ ان نادانوں نے بشر کو رسول ماننے سے تو انکار کیا لیکن پتھر کو معبود ٹھہرانے سے نہ شرمائے۔ چنانچہ حضرت علی بن سلطان المعروف بہ علی ن القاری الحنفیؒ ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ:۔

انکارٌ منهم ان یرسل الله بشرًا واقرارٌ بان یصلح ان یکون الاله حجرًا اھ (شرح الشفاء جلد ۲ ص۵۴۲ طبع مصر)	انہوں نے اس کا تو انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ بشر کو رسالت عطا فرمائے مگر اس کا اقرار کر لیا کہ پتھر ان کا معبود قرار پائے۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۱۱)	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تو کہہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بناکر بھیج دیتے۔

یعنی زمین میں چونکہ انسان آباد ہیں تو ان کی اصلاح اور بھلائی کے لیے بشر، آدمی اور انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجنا مصلحت کے عین مطابق ہے اگر فرشتے زمین میں بسنے والے ہوتے تو آسمان سے فرشتے اور نوری مخلوق ان کی اصلاح کے لیے مبعوث کی جاتی۔

علامہ محمد بن عابدین الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بشر کی تین قسمیں ہیں خواص جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور درمیانے قسم کے جیسے حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہ اور عوام جس طرح دیگر لوگ۔

(شامی، جلد ۱ ص ۴۹۲ طبع مصر)

امام محمد بن عمر الرازی الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم من البشر (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵ طبع مصر)

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین، ابن عربی الشافعی (المتوفی ۶۳۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کل وقت وھو فی مرتبۃ الرسالۃ والخلافۃ انما انا بشر مثلکم فلم تحجبہ المرتبۃ عن معرفۃ نشأتہ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت جب کہ آپ رسالت اور خلافت الٰہی کے بلند مرتبہ پر فائز تھے، یہی فرماتے رہے کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں آپ کے اس بلند مقام نے آپ کو اپنی حقیقت کے اعتراف سے نہیں روکا۔
(فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۲۳ طبع مصر)	

یعنی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و خلافت کا اعلیٰ مقام مرحمت فرمایا ہے، بایں ہمہ آپ نے اپنی بشریت کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر فرمایا ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (المتوفی ۶۷۲ھ) نے اپنی مثنوی میں ایک

حکایت بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو مکان کی چھت پر کھیل رہا تھا اور اس کے ماں باپ بھی کسی کام میں مصروف تھے (زیادہ سے زیادہ سینک رہے ہوں گے) مکان کی چھت پر ایک کھوکھلا سا پرنالہ تھا جس کے ذریعہ چھت کا پانی کوچہ میں بہتا تھا، اچانک وہ بچہ اس پرنالہ میں جا گھسا، پرنالہ چونکہ گلی کی طرف آگے کو بڑھا ہوا تھا، ماں باپ کو خیال ہوا کہ یہ اتنا مضبوط تو ہے نہیں مبادا یہ پرنالہ بچے کے وزن کو برداشت نہ کر سکے اور نیچے گر جائے اور بچہ ہلاک ہو جائے، جب ماں باپ اس کے قریب گئے تاکہ اس کو پرنالہ سے باہر نکالیں تو وہ نادان بچہ لاڈ میں آکر اور اندر گھستا چلا گیا جس سے ہر لمحہ خطرہ بڑھتا رہا اور ماں باپ جب اس کو اپنی طرف بلاتے تو وہ اور دور ہوتا جاتا بالآخر وہ مایوس ہو گئے کہ یہ اناڑی اور نادان بچہ بات نہیں مانتا اور پرنالہ اُلٹ گیا تو یہ ہلاک ہو جائے گا کسی دانا نے جو یہ ماجرا دیکھ رہا تھا، ان کو یہ مشورہ دیا کہ اسی عمر کا کوئی بچہ فوراً محلہ سے اور لے آؤ، اور اس کو مکان کی چھت پر بٹھا دو، یہ ننھا بچہ جب اس کو دیکھے گا تو بقاعدہ الجنس یمیل الی الجنس اس سے مانوس ہو کر تمہارا بچہ بھی پرنالہ سے باہر نکل آئیگا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مکان کی چھت پر ہم عمر بچہ کو دیکھ کر وہ بچہ بھی پرنالہ سے نکل آیا، اس کی جان بچی اور ماں باپ کی پریشانی کا ازالہ ہوا۔ اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کے بعد مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ۔

زاں بود جنس بشر پیغمبراں — تا بہ جنسیت رہند از ناوداں

یعنی اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جنس بشر سے ہیں تاکہ جنسیت کی وجہ سے (مصائب اور گمراہی کے) پرنالہ سے انکو نکال لائیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر جنس سے فائدہ اٹھانا اور اس کے اسوہ اور سیرت پر چلنا خاصا مشکل کام ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ :-

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم باآں علوّ شان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متسّم ۔

اے بھائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم باوجود اس بلند شان اور مرتبہ کے بشر تھے، اور حدوث و امکان کے داغ سے متصف تھے

(مکتوب ۱۷۳ دفتر اوّل ص۱۶۸ طبع امرت سر)

یعنی نہ تو آپ قدیم اور واجب تھے اور نہ ازلی و ابدی تھے بلکہ بشر حادث اور ممکن تھے ۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

نمے بینی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام باعامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحدّ تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است

تو نہیں دیکھتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عام لوگوں کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں اور حقیقت و ذات کے لحاظ سے سب کے ساتھ متفق ہیں ۔

(دفتر اوّل حصہ چہارم ص۱۲۸)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

امّا در نبوّت و رسالت درجہ ایست مر نبی را کہ ملک باآں نرسیدہ است و آں درجہ از راہِ عنصر خاک آمدہ است کہ مخصوص بہ بشر است ۔

بہرحال نبوّت اور رسالت میں نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جس تک فرشتہ نہیں پہنچ سکتا اور وہ درجہ اصل میں مٹی سے حاصل ہوتا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے ۔

(مکتوبات دفتر اوّل حصہ چہارم ص۱۲۳)

مشہور صوفی صاحب حال و وجد علّامہ بوصیریؒ (المتوفی ۔۔۔ھ) فرماتے ہیں :-

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلہم

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں مبلغ علم یہی ہے کہ آپ بشر ہیں، اور آپ بلاشک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں ۔

مصر کے معروف عالم شیخ محمد عبدہؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں کہ:۔

والانبیاء افضل البشر بالاجماع (تفسیر منار جلد ۲ ص ۲۰۸ طبع مصر)	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالاجماع افضل البشر ہیں۔

علّامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ۱۱۲۲) تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہی بشر ہے۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۳ ص ۱۲۴ طبع مصر)

یہ مختصر اور ٹھوس حوالے منصف مزاج آدمی کے لیے بالکل کافی ہیں، ہاں ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے دلائل کا انبار بھی ناکافی ہے۔ اب مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواری یہ بتائیں کہ یہ جملہ حضرات جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسان اور بشر کہتے ہیں کیا یہ مسلمان ہیں یا (معاذ اللہ) کافر؟ اور ان صریح عبارات کے پیش نظر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنا مسلمانوں کا طریقہ ثابت ہے یا کفار کا دستور ہے؟ اور کیا یہ اکابر فقہاء کرام علماء اسلام اور صوفیاء عظام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسان اور بشر کہہ کر ان کے فضائل وکمالات کے منکر ہوتے ہیں یا ان کے مدح خواں ہیں؟ اور کیا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسان اور بشر کہہ کر یہ حضرات ان کی بے ادبی، گستاخی اور کسر شان کے مرتکب ہوئے ہیں، یا ان کے مناقب کے مقر ہیں؟ بات بالکل صاف ہو لگی لپٹی نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ نوع بشر کی اعلیٰ ترین ہستیوں کی بدولت ہی کائنات کے مخفی راز آشکارا ہوئے ہیں اور اسی لیے ان کی تعظیم وتوقیر ایمان کی بنیاد ہے سچ ہے کہ:۔

پئے تعظیم نغمات ازل بیدار ہوتے ہیں
سرِ محفل کوئی جب صاحبِ الہام آتا ہے

یہ یاد رہے کہ فقہاء کرامؒ کا وہ محتاط طبقہ ہے جو جناب رسول کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین کو بھی صاف اور صریح الفاظ میں کفر کہتا ہے اور اس کے مرتکب کو قابل گردن زدنی سمجھتا ہے مگر بایں ہمہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح الفاظ میں انسان اور بشر تسلیم کرتا ہے، اگر اس لفظ میں توہین کا معاذ اللہ کوئی ادنیٰ سا احتمال اور شائبہ بھی پایا جاتا، تو وہ کبھی ایسا نہ کہتا، محض توہین، توہین کی رٹ سے کیا بنتا ہے؟

چنانچہ امام طاہر بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وفی المحیط من شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واھانہ اوعابہ فی امور دینہ اوفی شخصہ او وصف من اوصاف ذاتہ سواء کان الشاتم مسلمًا من امتہ اوغیرھا وسواء کان من اھل الکتاب اوغیرہ ذمیًا کان اوحربیا سواء کان الشتم اوالاھانۃ اوالعیب صادرًا عنہ عمدًا اوسھوًا اوغفلۃً اوجدًا اوھزلاً فقد کفر خلودًا بحیث ان تاب لم تقبل توبتہ ابدًا لاعند اللہ ولاعند الناس وحکمہ فی الشریعۃ المطھرۃ عند متاخری المجتھدین اجماعًا وعند المتقدمین

محیط میں ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا اور آپ کی توہین کی یا دینی امور میں آپ کا عیب نکالا، یا آپ کی ذات یا آپ کے ذاتی اوصاف میں سے کسی صفت میں عیب لگایا عام اس سے کہ برا کہنے والا آپ کی امت سے ہو یا غیر ہو اور عام اس سے کہ ذمی ہو یا حربی اور برابر ہے کہ آپ کی برائی یا اہانت یا عیب قصداً اس سے سرزد ہوا ہو یا سہواً یا غفلۃً یا حقیقۃً ہو یا دل لگی سے ہر صورت میں یہ دوامی طور پر کفر ہے بایں حیثیت کہ اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی توبہ کبھی قبول نہ ہوگی نہ عنداللہ اور نہ عندالناس اور شریعت مطہرہ میں اس کا حکم متاخرین مجتہدین کے اتفاق سے اور متقدمین کے نزدیک بھی یہ ہے کہ اس کو یقیناً

القتل قطعاً ولا یداھن السلطان وتائبہٗ فی حکم قتلہ اھ (خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)	قتل کیا جائے، اور بادشاہ اور اس کا نائب اس کے قتل میں قطعاً کوئی نرمی اور مداہنت نہ کرے۔

فقہاء کرامؒ کا یہ فیصلہ بھی اچھی طرح ملاحظہ کیجئے، اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان اور بشر کہتے ہیں، اگر اس لفظ میں توہین وبے ادبی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو وہ ہرگز آپ کو بشر نہ کہتے بلکہ بشر کہنے والوں کے خلاف اور نہ سہی تو فتویٰ ہی صادر فرما دیتے، جب ایسا نہیں تو کون اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنے میں ان کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے، یا یہ لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے، معاذ اللہ۔ وحاشا۔ فقہاء کرام اور علماء ملت نے اس کی صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشر ہونے کا اقرار وعقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اگر کوئی شخص آپ کے بشر ہونے کا انکار تو کیا محض لاعلمی کا اظہار بھی کرے تب بھی وہ کافر ہے کہ اس نے ایک بنیادی عقیدہ کو معلوم نہیں کیا۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر اور مستند کتابوں میں ہے کہ:-

ومن قال لا ادری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان انسیا او جنیا یکفر (فصول عمادیہ صفحہ ۱۳۵ طبع ہند وفتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ طبع مصر)	جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن تو وہ شخص کافر ہے۔

یعنی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا اقرار ایک بنیادی عقیدہ ہے اور وہ شخص اس سے بے خبر ہے۔ علامہ زرقانی المالکیؒ (محمد بن عبدالباقیؒ المتوفی ۱۱۲۲ھ) شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ:-

فان قلت ھل العلم بکونہ	پس اگر تو کہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ

صلی اللہ علیہ وسلم بشراً ومن
العرب شرط فی صحة الایمان اوھو
من فروض الکفایة علی الابوین
مثلاً فاذا علم احدھما ولدہ المميز
ذالک سقط طلب عن الآخر اجاب
الشیخ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم
العراقی الحافظ ابن الحافظ انہ
شرط فی صحة الایمان فلو قال
شخص أومن برسالة محمد
صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع
الخلق ولکن لا ادری ھل ھو
من البشر اومن
الملائکة اومن الجن اولا ادری
ھو من العرب او العجم فلا شک
فی کفرہ لتکذیبہ القرآن لقولہ
تعالی ھو الذی بعث فی الامیین
رسولا منھم وقال تعالی ولا اقول
لکم انی ملک وجحدہ ماتلقتہ
قرون الاسلام خلفاً عن سلف
وصار معلوما بالضرورة عند
الخاص والعام ولا اعلم فی ذلک خلافاً اھ
الزرقانی ج صہ ٦٨ شرح مواہب طبع مصر)

وآلہ وسلم کے بشر اور اہل عرب میں سے ہونے
کا علم صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے یا وہ فرض کفایہ
ہے کہ ماں باپ میں سے ایک نے تمیز والے بچے
کو اس کی تعلیم دے دی تو اس کی طلب دوسرے
سے ساقط ہو جائیگی، اس کا جواب شیخ ولی الدین
احمد بن عبدالرحیم العراقی الحافظ بن الحافظ نے یہ دیا کہ
صحت ایمان کے لیے یہ شرط ہے پس اگر کسی شخص
نے یہ کہا کہ میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے
ہیں، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے؟
یا فرشتے؟ یا جن؟ یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ
آپ عربی تھے یا عجمی؟ تو اس شخص کے کفر میں کوئی
شک نہیں ہے، کیونکہ اس نے قرآن کی تکذیب
کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خدا
تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے امیوں میں ان
ہی میں سے رسول بھیجا اور نیز فرمایا کہ تو کہہ دے
کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور
اس نے اس چیز کا بھی انکار کیا جو اسلامی ادوار
میں سلف و خلف سے تواتر سے چلی آئی ہے، اور
جو چیز عوام وخواص کے ہاں بالبداہۃ معلوم ہے
اور مجھے اس میں کسی کا کوئی اختلاف
معلوم نہیں ہے۔

اور علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

وقد سئل الشيخ ولي الدين العراقي هل العلم بكونه صلى الله عليه وسلم بشرًا ومن العرب شرط في صحة الايمان او من الفروض الكفاية فاجاب بانه شرط في صحة الايمان ثم قال فلو قال شخص اؤمن برسالة محمد صلى الله عليه وسلم الى جميع الخلق لكن لا ادري هل هو من البشر او من الملائكة او من الجن او لا ادري هل هو من العرب او العجم فلا شك في كفره لتكذيبه القرآن وجحده ما تلقته قرون الاسلام خلفا عن سلف وصار معلومًا بالضرورة عند الخاص والعوام ولا اعلم في ذالك خلافا فلو كان غبيًا لا يعرف ذلك وجب تعليمه اياه فان جحده بعد ذلك حكمنا بكفره۔

(تفسیر روح المعانی ج ۴ ص ۱۱ طبع مصر)

شیخ ولی الدین عراقیؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ جاننا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر اور عربی ہیں صحت ایمان کے لیے شرط ہے یا یہ فرض کفایہ ہے تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے سو اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو تمام مخلوق کے لیے مانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے؟ یا فرشتہ؟ یا جن؟ یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عربی تھے یا عجمی؟ تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس نے قرآن پاک کی تکذیب کی ہے اور اس چیز کا انکار کیا ہے، جس کی خلف وسلف تمام قرونِ اسلام میں تلقی بالقبول کرتے رہے اور جو چیز خاص وعام کے نزدیک بالبداہت معلوم ہو چکی ہے اور میں اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جانتا پس اگر کوئی شخص غبی ہے جو اس کو نہیں جانتا، تو اس کو اس کی تعلیم دینا واجب ہے، اگر تعلیم کے بعد بھی وہ اس کا انکار کرے، تو ہم اس کے کفر کا حکم دیں گے۔

اور اسی کے قریب مضمون ہے، علامہ صوفی عمر بن احمد خرپوتیؒ کا ملاحظہ ہو عصیدۃ الشہدۃ شرح القصیدۃ البردۃ ص۹۸ طبع استنبول اور البحر الرائق ج ۵ ص۱۲۱ میں بھی مجملاً اس کا ذکر ہے، غور فرمایئے کہ کس وضاحت سے یہ اکابر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور آپ کے عربی ہونے سے جہالت کو کفر قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ بنیادی عقیدہ ہے، مگر مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی پارٹی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے اقرار کو کفار کا دستور بتاتے ہیں (معاذ اللہ) ع

ببیں تفاوتِ راہ است از کجا تا کجا

وساتواں:۔ انسان، آدمی، اور بشر کا مادہ خاکی اور مٹی سے ہے جیسا کہ قرآن کریم کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے اور مٹی ہی سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور پیدائش ہوئی ہے، اس میں شک وشبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت بھی مادہ کے لحاظ سے مٹی سے ہوئی ہے چنانچہ محدث کبیر امام ابوحاتم محمد بن ادریس الامام الحافظ الکبیر (المتوفی ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ما نجد لابی بکر وعمر فضیلة مثل هذه الفضیلة لان طینتهما من طینة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب شعرانیؒ ص۲۶ طبع مصر)

ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اس جیسی اور کوئی فضیلت نہیں پاتے کہ ان کا مادہ اس مٹی سے بنا ہے جس مٹی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود تیار ہوا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جہاں کی مٹی اور خمیر ہوتا ہے مرنے کے بعد انسان اسی مقام پہ پہنچا دیا جاتا ہے، اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تینوں بزرگ

روضۂ اقدس کے اندر پہلو بہ پہلو قبروں میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ملا علی ن القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

روی ابن الجوزیؒ فی الوفاء عن کعب الاحبار انہ تعالیٰ لما اراد ان یخلق محمدا صلی اللہ علیہ وسلم امر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یاتیہ بالطینۃ البیضاء فھبط فی ملٰئکۃ الفردوس وقبض قبضۃ من موضع قبرہ بیضاء نیرۃ فعجنت بماء التنیم اھ (شرح الشفاء ج ۲ ص۱۰۲ طبع مصر)	امام ابن الجوزیؒ نے کتاب الوفاء میں حضرت کعب احبارؓ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرے تو اس نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ سفید مٹی لے آئے، چنانچہ وہ فردوس کے فرشتوں کی جماعت میں اترے اور آپ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید اور درخشندہ مٹی کی ایک مٹھی بھر لی سو وہ مٹی تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔

اور پھر اسی مقام مبارک میں (جو ہمارے اور جمہور اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق عرش الٰہی سے بھی افضل ہے) آپ بعد از وفات دفن کیے گئے اور اسی مقام میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دفن ہونے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔

بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

مسئلہ:۔ ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی باقی مٹی سے پیدا ہوئے ہوں، نیز یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی مٹی سے بنے ہوں۔ انتہیٰ (ارشاد الطالبین ص۳۹) دوسروں کی تو بات ہی چھوڑیئے خود بریلوی فرقہ کے قائد اور روح رواں مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک مٹی سے

بنا، اور آپ بشر ہیں۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر علامہ خطیب بغدادیؒ کی کتاب المتفق والمفترق کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طریق سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہوں گے (السنیۃ الانیقہ ص۵۵)

اس حدیث کا تذکرہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الطالبین ص۴۰) اور خان صاحب نے حاشیہ پر اس پر فائدہ یوں لکھا ہے کہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس جس خاک پاک سے بنا صدیق و فاروق اسی مٹی سے بنے۔

اور خان صاحب بریلوی دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار درجہ الطف وہ خود فرماتے ہیں لست کمثلکم میں تم جیسا نہیں ویروی لست کھیئتکم میں تمہاری ہیئت پر نہیں ویروی ایکم مثلی تم میں کون مجھ جیسا ہے۔ آخر علامہ خفاجیؒ کا ارشاد سنا کہ حضور کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونے کے منافی نہیں اھ (نفی الفئ ص۱)

اور یہی خان صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

جس طرح اجماع اہل سنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم مانے اہل سنت سے خارج ہے۔ (دوام العیش فی ان الائمۃ من قریش طبع حسنی بریلی ۱۳۳۹ھ ص۲۷ حصہ اوّل)

یہ تمام عبارات بالکل واضح اور روشن ہیں، ان میں کوئی اشکال نہیں ہے

۱؎ علامہ خفاجیؒ کے الفاظ یوں ہیں وکونہ بشرا لاینافیہ کما توھم الخ (نسیم الریاض جلد۲ ص۲۸۲ طبع مصر) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا نور ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور جسم انسانی رکھتے ہیں اور مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے۔ مشہور بریلوی عالم حکیم مولوی ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب سابق خطیب جامع وزیر خاں لاہور لکھتے ہیں!

سوال :۔ نبی کون ہے، وہ کس لیے دنیا میں آتا ہے۔

جواب :۔ نبی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لیے آئے۔ اور احکام الٰہیہ اس پر خدا کی طرف سے بذریعہ وحی آتے ہوں۔

سوال :۔ جس قدر انبیاء گذرے، یہ سب بشر تھے، یا کچھ اور بھی؟

جواب :۔ انبیاء سب بشر تھے۔

(حنفی سلسلہ دینیات حصہ اوّل یعنی العقائد ص۱۵ و ص۱۶

مطبوعہ شعبۂ اشاعت مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور)

اس عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے کسی اور نوع سے نہ تھے۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے کسی نے سوال کیا کہ مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو اس اثر کے ازالہ کے سلسلہ میں معوذتین کا نزول ہوا۔ سوال یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ تو بظاہر شانِ نبوّت کے خلاف ہے (محصلہ) اس کا جواب پیر صاحب نے یوں دیا ہے:۔

الجواب ہو الصواب :۔ واقعہ مسحوریت ذات بابرکات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و درست ہے، اور معوذتین کا شان نزول بھی باتفاق مفسرین یہی واقعہ معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس بارہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں مگر اس واقعہ کے وقوع سے کوئی خدشہ و اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے کیونکہ جیسے اور لوازمات بشریہ مثلاً کھانا پینا، سونا، مریض ہونا من حیث الانسانیت ذات

مبارک کے ساتھ لگا ہوا تھا، اسی طرح اثر سحر کا بھی من حیث البشریت ہے نہ من حیث النبوۃ اھ۔

(فتاویٰ مہریہ جلد اوّل ص۱۱ طبع سول اینڈ ملٹری پریس صدر راولپنڈی) اور اسی فتویٰ میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

اور اگر مقابلہ من حیث النبوۃ نہ ہو تو پھر نبی کو تکلیف و ایذا پہنچ جانی کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔ بلکہ یہ خاصۂ بشریت ہے جیسے اور لوازمات بشریت سے نبی مُبرّا نہیں ہوتا ویسے ہی دنیاوی تکالیف و مصائب سے بھی پاک نہیں ہوسکتا ہے اھ (ص۱۲)

مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی ثم گجراتی لکھتے ہیں۔

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں، جن یا فرشتہ نہیں ہوتے اھ (جاء الحق ص۱۹۴) دوسروں کا تو قصہ ہی چھوڑیئے مولوی نعیم الدین صاحب اپنے استاد خاں صاحب بریلوی اور ان کے دیگر ہم مشرب اور ہم مسلک لوگوں کے بارے میں جن کے کچھ حوالے ہم نے عرض کیے ہیں، کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کو بشر کہنے کی وجہ سے کافر ہیں؟ اور کیا انہوں نے بشر کہہ کر آپ کے فضائل و کمالات کا انکار کیا ہے؟ اور کیا یہ بے ادبی کرکے کفار کے دستور میں جا شریک ہوئے ہیں؟ دوسروں کی تکفیر کرنے والے ذرا اپنا چہرہ بشرہ بھی دیکھ لیں کہ کہیں بزعم شما یہ گناہ تمہارے ہاں بھی نہ ہوتا ہو سچ ہے کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

وسائعا اور لوگوں کا معاملہ ہی ترک کیجیے آیئے خود مولوی نعیم الدین صاحب بلکہ بریلوی کیا کہتے ہیں چند حوالے ان کے بھی ملاحظہ کر لیجیے، وہ اسی اپنی تفسیر میں ایک مقام پہ یوں لکھتے ہیں:۔

"اس امت میں بھی بہت سے بدنصیب سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی بشریت کا انکار کرتے اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں۔" انتہی ص۳۲۴، ص۵۴۔ اب ان کے کسی کرم فرما مصحح نے جب دیکھا کہ اس عبارت سے تو موجودہ بریلویت پیوندِ زمین ہو جائیگی، تو الگ شدہ چھاپ کر اس کی یوں اصلاح کی کہ:۔

" اس امت میں بہت سے بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے۔" انتہی۔

مولوی نعیم الدین صاحب کی عبارت کی رُو سے بریلویوں کا وہ غالی طبقہ بدنصیب بلاشک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کر کے قرآن و حدیث کا منکر ہے، اور کرم فرما مصحح کی عبارت کے پیشِ نظر حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر بشمولیت فقہاء عظام و صوفیاء کرامؒ اور خود خان صاحب بریلوی، اور ان کے ہم مشرب لوگ بھی بدنصیب قرار پاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں، یہ فیصلہ اب حضراتِ بریلویہ پہ ہے کہ وہ کس گروہ کو بدنصیبی کی سند عطا کرتا ہے ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

بہر حال اصل عبارت اور تصحیح شدہ عبارت کے پیش نظر ایک گروہ ضرور اور لامحالہ بدنصیب ہے لا شك فيه ہر چہ شک آرد کافر گردد۔

مولوی نعیم الدین صاحب کی چند عبارتیں اور ملاحظہ ہوں، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت واضح ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ بعض عبارتوں میں مولوی صاحب کے ذہن کی عدمِ صفائی اور ناہمواری بھی آشکارا ہو جاتی ہے، اور یوں محسوس ہوتا

ہے کہ نشے میں سرشار کوئی مدہوش ملنگ ہے جو بے تکیاں ہانک رہا ہے۔ بہرحال ان کی چند عبارتیں بقید حروف باحوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم قرشی جن کے حسب نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں، اور تم اُن کے صدق و امانت زہد و تقوٰی، طہارت و تقدس اور اخلاقِ حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو اھ (حاشیۂ قرآن ص۳۰۰ ف۲۰۷) اگر آپ نور ہوتے تو عربی و قریشی اور حسب ونسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ کفار نے پہلے تو بشر کا رسول ہونا قابل تعجب و انکار قرار دیا اور پھر جب حضور کے معجزات دیکھے اور یقین ہوا کہ بشر کے مقدرت سے بالاتر ہیں تو آپ کو ساحر بتایا، ان کا یہ دعوٰی تو کذب و باطل ہے مگر اس میں بھی حضور کے کمال اور اپنے عجز کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ (حاشیہ قرآن ص۳۰۰ ف۲)

۳۔ اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے، وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبول ہیں، یہی ان کی سرشت ہے، ان میں عقل ہے، شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت و عقل کا جامع ہے تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے، اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے انتہٰی۔ (حاشیہ قرآن ص۴۱۹ ف۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قوم کے پاس بسلسلۂ تبلیغ پہنچے اور حق کی بات انہیں سنائی تو کافروں نے کہا کہ تم ہمارے جیسے آدمی اور بشر ہو تم ہمیں ان کی پوجا سے روکنا چاہتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، اب تم ہمارے پاس کوئی روشن سند لاؤ، اس کے جواب میں :-

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ (ابراہیم ع ۲ پ ۱۳)

اُن کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

یہ ترجمہ خاں صاحب بریلوی کا ہے، اس کے حاشیہ پر مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں :-

(۴) ف ۳۱ اچھا یہی مانو کہ ہم واقعی انسان ہیں ف ۳۱ اور نبوت و رسالت کے ساتھ برگزیدہ کرتا ہے، اور اس منصب عظیم کے ساتھ مشرف فرماتا ہے (ص ۳۷۱)

اس عبارت میں ان کے ذہن کی ناہمواری دیکھئے کہ نہ تو مانتے بنے نہ انکار کرتے بقول کسے نہ اُگلتے بنے نہ نگلتے بنے۔

(۵) (ایک طویل عبارت کے آخر میں) تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعوےٰ کرے یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

(ص ۶۹۰ ع ۱۲)

یہ جو کچھ کہا ہے بالکل بجا اور درست ہے لیکن اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت بھی تو تسلیم کی گئی ہے، اور اس فائدہ کی ابتداء میں یوں لکھتے ہیں کہ :-

(جس میں اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الآیۃ کی تفسیر کی گئی ہے) ظاہر میں کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں، میری بات بھی سُنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آتے، اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو بجائے میرے کوئی غیر جنس یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے،

نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں، ہمارے ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے اھ ص۹۱)

پہلے تو حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دبی زبان سے واقعی انسان تسلیم کیا تھا، لیکن یہاں ظاہر اور بظاہر کا لفظ بول کر اپنے بدعقیدہ کی وجہ سے اپنے لیے چور دروازہ کی گنجائش فراہم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ، آپ کی بشریت کے اقرار سے مفر بھی نہیں پاتے عجیب مخمصے میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

(۶) مولوی نعیم الدین صاحب نے عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے کتاب العقائد (پہلا حصہ) پہلے ان کی زندگی میں ہندوستان میں طبع ہوا تھا، اور اب لاہور میں دو جگہ طبع ہوا ہے۔ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحبؒ لاہور، اور ہفت روزہ سواد اعظم لاہور۔ اس رسالہ کے ص۴ پر یہ سُرخی قائم کی ہے۔ نبوت کا بیان اور اس کے نیچے یہ لکھا ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لیے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا اُن کو نبی کہتے ہیں، انبیاء بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے الخ

اب نوری کتب خانہ کے غازیوں نے بجائے بشر کے نور کا لفظ لکھ مارا ہے اور اس بددیانتی سے وہ اپنا باطل عقیدہ محفوظ رکھنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اور اسی کتاب کے ص۵ پر ہے۔

سوال:۔ کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟

جواب:۔ نہیں نبی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں، اور ان میں بھی فقط مرد کوئی عورت نبی نہیں ہوتی، انتہیٰ

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام، انسان، آدمی اور بشر تھے، اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مولوی نعیم الدین صاحب خود اپنے فتویٰ کے رُو سے کافر بھی ہیں اور بے ادب وگستاخ بھی اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو بشر کہہ کر ان کے فضائل وکمالات کا انکار بھی کرتے ہیں اور کفّار کے دستور کی ہمنوائی بھی کرتے ہیں، سوچیے کہ جو شخص اپنے قائم کردہ فتویٰ کی رُو سے کافر قرار پائے اس کے کفر میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ دیکھا آپ نے کہ حق اور اہلِ حق کے ساتھ اختلاف کیا رنگ لایا؟ اور بقول شخصے ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیّاد آگیا

مولوی نعیم الدین صاحب کی عبارت میں باقی باتیں تو بفضلہٖ تعالیٰ ٹھوس حوالوں سے بالکل صاف ہو چکی ہیں، ہاں ایک بات باقی رہتی ہے، وہ یہ کہ وہ لکھتے ہیں:-

"اس لیے قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرامؑ کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا"

جابجا کا قصہ ہی چھوڑیئے قرآن پاک میں ایک ہی ایسا مقام بتا دیجئے جس میں یہ حکم موجود ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو بشر کہنے والا کافر ہے، اینچ پیچ نہ ہو، یہ حکم صاف اور صریح ہو۔ اس سے بڑھ کر قرآن کریم پر خالص بہتان، صریح افتراء اور سفید جھوٹ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک خالص کافرانہ اور مشرکانہ عقیدہ کو قرآن کریم کا عقیدہ بتلایا جائے، اور عوام الناس کو یہ مغالطہ دیا جائے کہ یہ حکم قرآن پاک میں جابجا موجود ہے نعوذ باللہ من سوء الفهم یہود بھی تحریف میں بڑے مشّاق تھے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی جماعت تو یہود کو بھی اس میدان میں مات کر گئی ہے مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی جماعت کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے لے کر سید الرسل امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار کافروں اور مشرکوں نے کیا تھا تفصیل تو نور و بشر کے رسالہ میں ہوگی، (انشاء اللہ) اس مقام پر صرف ایک قرآنی حوالہ ملاحظہ کر لیجیے (ترجمہ خان صاحب بریلوی کا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ (پ ۲۸ - التغابن - ۱)

کیا تمہیں ان کی خبر نہ آئی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا اور اپنے کام کا وبال چکھا، اور ان کے لیے دردناک عذاب، یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے، تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے، اور پھر گئے، اور اللہ تعالیٰ نے بے نیازی کا کام فرمایا، اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ جتنے کافر نزول قرآن سے پہلے گزرے ہیں، ان سب نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار کیا ہے، اور تعجب سے یہ کہا کہ کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے؟ تو وہ کافر ہو گئے فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا کے جملہ سے معلوم ہوا کہ ان منکروں کے کفر کا ایک سبب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار بھی تھا، قرآن پاک تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے منکروں کو کافر کہتا ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا، اس کو کہتے ہیں اُلٹی گنگا، اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے باطل، مشرکانہ اور کافرانہ عقیدہ کو درست کرتے اُلٹا قرآن پاک کی تحریف پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بلند ذات پر افترا پردازی اور

بہتان تراشی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے سچ ہے ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

شاید یہی وہ آیت ہے جس سے مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواریوں کو اپنے اس باطل عقیدہ کے اثبات پر شبہ ہوا ہے یا ہمزۂ استفہام کو (اَبَشَرٌ میں) گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں، اور مطلب کچھ کا کچھ بنا ڈالا ہے کیونکہ اس کے علاوہ قرآن کریم میں کوئی ایسا مضمون نہیں جس سے یہ شبہ پڑتا ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنے والے کافر ہیں، اگر کوئی آیت اور مضمون ہے تو ان کو ظاہر کیا جائے (دیدہ باید)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس آیت کریمہ کی تفسیر چند معتبر مفسرین کرامؒ سے نقل کر دیں۔ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی ۷۰۱ھ) لکھتے ہیں۔

فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا انكروا الرسالة للبشر ولم ينكروا العبادة للحجر فَكَفَرُوْا بالرسل (تفسیر مدارک جلد ۶ ص۲۷۹ طبع مصر بر هامش مجموع التفاسیر)

پس کہا انہوں نے کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے، انہوں نے بشر کے لیے رسالت کا تو انکار کیا لیکن پتھر کے لیے عبادت کا انکار نہ کیا، سو رسولوں کا انکار کر گئے۔

امام علی بن محمد الخازن الشافعیؒ (المتوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں :-

معناه انهم انكروا ان يكون الرسول بشرًا و ذلك لقلة عقولهم و سخافة احلامهم ولم ينكروا ان يكون معبودهم حجرًا فَكَفَرُوْا اى جحدوا و انكروا۔ (خازن بر هامش مجموع التفاسیر جلد ۶ ص۲۷۹)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے اس امر کا انکار کیا کہ رسول بشر ہو اور یہ ان کی کم عقلی، اور بے وقوفی کی علامت ہے۔ اور انہوں نے اس کا انکار نہ کیا کہ پتھر ان کا معبود ہو جائے سو وہ اس کے منکر ہو گئے۔

قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعیؒ (المتوفی ۶۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

انکروا وتعجبوا ان یکون الرسل بشرًا والبشر یطلق علی الواحد والجمع فکفروا بالرسل۔ (تفسیر بیضاوی بحاشیہ مجمع التفاسیر جلد ۶ ص ۲۷۹)	انہوں نے انکار اور تعجب کیا کہ رسول بشر ہوں اور لفظ بشر واحد اور جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے پس انہوں نے رسولوں کا انکار کر دیا۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

ای استبعدوا ان تکون الرسالۃ فی البشر وان یکون ھداھم علی یدی بشر مثلھم اھ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۳۷۴)	یعنی انہوں نے اس بات کو مستبعد سمجھا کہ رسالت بشر کو حاصل ہو اور ان جیسے بشر کے ذریعہ انہیں ہدایت پہنچے۔

علامہ ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادیؒ (المتوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

فقالوا ابشر آدمی مثلنا یھدوننا الی التوحید فکفروا بالکتب والرسل والآیات۔ (تنویر المقباس جلد ۶ ص ۲۷۹)	پس انہوں نے کہا کہ کیا بشر اور آدمی ہمارے جیسے ہمیں توحید کی راہ دکھائیں گے پس انہوں نے کتابوں، رسولوں اور معجزات کا انکار کر دیا۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جملہ مشرکین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت، انسانیت اور آدمیت کا انکار کرتے رہے، اور یہی کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت بھی ہوتا رہا، کبھی مشرکین یوں کہتے رہے کہ اس نبی کو کیا ہو چکا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں (سودا سلف خریدنے کے لیے) جاتا ہے اور کبھی یوں کہتے کہ یہ تو صرف بشر ہے، کیوں تم جادو

میں مبتلا ہوتے ہو، ان تمام امور کی رب العزت نے قرآن کریم میں خوب تردید کی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وقتاً فوقتاً اس باطل نظریہ کا رد کیا ہے ایسے ہی ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ:۔

فانما انا ابن امرأة من قریش تاکل القدید (مستدرک جلد ۲ ص۴۶۶ قال الحاکم والذھبی صحیح علی شرطھما) — یقینی امر ہے کہ میں تو خاندان قریش کی ایک خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت (وڑیاں) بھی کھایا کرتی تھی۔

اِن اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارا ہوگئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کی بشریت کا انکار کفار کا دستور تھا نہ کہ مومنوں کا اور کفار یہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت جیسا فضل و کمال بھلا بشر کو کیسے اور کیونکر نصیب ہوسکتا ہے؟ کیونکہ وہ بشر کو اس قابل اور لائق ہی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس شرف و مزیت سے نوازا جائے اور معاذ اللہ بشر کو وہ حقیر سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کو صرف بشر مانتے تھے، اور ان کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے، اور آجکل کے بعض کلمہ گو بزعم خود حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کو رسول اور نبی تو مانتے ہیں لیکن بشر اور آدمی نہیں تسلیم کرتے گویا ان کے نزدیک بھی دو چیزوں کا جمع ہونا مستبعد تھا، اور ان کے نزدیک بھی اور بدیں وجہ ان کا قارورہ آپس میں مل جاتا ہے، اور اس میں ایک اور امر بھی قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ کم فہم اور جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم بشر اور انسان ہیں اور ہم میں گوناگوں کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، اس لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام بشر نہیں اور یہ انتہائی غلطی اور نادانی ہے کہ اپنے آپ کو بشر سمجھ کر تقابل اور قیاس شروع کر دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دراصل صحیح اور کامل بشر ہی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة تھے ہم تو صرف صورتِ بشر ہیں، بشر اور آدمی کا تو بہت اونچا مقام ہے، ہم پر صرف بشریت کا لبادہ اور چوغہ ہے، مولانا روم

نے کیا خوب کہا ہے ؎

یکستند آدم غلافِ آدم اند[۱]

اَب اِس سابق آیت کریمہ کی تفسیر خود مولوی نعیم الدین صاحب سے سُن لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ :۔

یعنی انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی اور نافہمی ہے، پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا انتہیٰ بلفظہٖ (حاشیہ قرآن ص۸۰ ح ۱۱)

لیجئے مولوی صاحب نے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار کافروں کا دستور بے ادبی اور کفر قرار دیا تھا، اور اب خود اس کو کمال بے عقلی اور نافہمی کہتے ہیں[۱] اب بتلائیے کہ عوام بیچارے کیا کریں اور کہاں جائیں ؟ جب کہ خود راہنما[۲] ہی گرگٹ کی طرح متلوّن مزاج ہو اور ہر نیتر سے پیترا بدلتا ہے۔ آہ ؎

خضر کس کو بتائے کیا بتائے ؟

کہ جب ماہی کہے دریا کہاں ہے ؟

مسئلۂ نورٌ مسئلہ نور و بشر کی پوری تحقیق اور بحث تو انشاء اللہ ہم اپنے رسالہ نور و بشر میں کریں گے، فی الحال ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر نور کی بحث پر بھی کچھ ضروری روشنی ڈالی جائے۔ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر بھی ہیں اور نورٌ بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے

---

[۱] فارسی مقولہ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد یعنی جھوٹ بولنے والے کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلی دفعہ میں نے کیا کہا، اور اب کیا کہنا ہے۔ ۱۲ منہ [۲] یعنی او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ ۱۲ منہ

اعتبار سے آپ نور ہیں۔ آپ کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی۔ کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوئی اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی، جو لوگ خواہشاتِ نفسانی اور اہواء و آراء کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے، آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پہ گامزن ہو گئے، کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے، ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باین معنی نور سمجھا اور کہا جاتے کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں، اور کچھ دلائل آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، اس جگہ ہم نور کا دعویٰ کرنے والوں کی اصولی بعض دلیلیں عرض کرتے ہیں، ان کو ملاحظہ کریں اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی دیکھ لیں تا کہ حقیقت آشکارا ہو جائے۔

پہلی دلیل:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر پہلی دلیل یہ پیش کی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ - الآية -	بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کی راہوں کی۔
(پ۶ - مائدہ - ۳)	

کہنے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے، اور چونکہ واو عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ مغایر ہوتے ہیں، لہذا نور الگ شئے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب:- اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری

سے ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ کا ذاتاً تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم روشنی بھی ہے، اور وہ بات کو کھول کر بھی بیان کرتا ہے، اور اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات گرامی کا ذکر اسی آیت کے شروع میں مستقل ہو چکا ہے۔

یَاَھْلَ الْکِتَابِ قَدْجَاءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ۔ الآیۃ اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول، ظاہر کرتا ہے تم پر الخ اور آخر میں کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی ہے، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آگے یَھْدِی بِہٖ میں ضمیر مفرد ہے، اگر نور سے آپ کی ذاتِ گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی تو ضمیر تثنیہ کی بہما مناسب تھی لیکن چونکہ نور اور کتاب مبین ایک ہی شئے ہے، اس لیے ضمیر مفرد کی بہٖ مناسب رہی گویا سیاق و سباق اور ماقبل و مابعد دونوں اس کے معین ہیں کہ اس مقام پر نور سے قرآن کریم مراد ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر نور قرآن کریم کی صفت بیان ہوئی ہے مثلاً ایک مقام پر اس طرح آتا ہے :-

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (پ ۶۔ النساء۔ ۲۴)

اور نازل کی ہم نے تمہاری طرف روشنی واضح۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے :-

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۹، اعراف، ۹)

سو وہ لوگ جو اس نبی آخر الزمان پر ایمان لائے، اور اس کی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ :-

مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ

تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان

وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ الآیة (پ ۲۵، الشورٰی، ۵)

(کی تفصیل) کیا ہے، اور لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنایا اس سے راہنمائی کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے کہ:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔ (پ ۲۸ - التغابن ۱)

سو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔

ان تمام مقامات میں نورؔ قرآن کریم کو کہا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرامؒ نے نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ میں نور سے قرآن مراد لیا ہے، ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس ہستی بھی مُراد لی ہے، لیکن وہی مفسرین کرامؒ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر، آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے، جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا، کیونکہ آپ سے تاریکیٔ کفر دُور ہوئی، اور راہِ حق واضح ہوئی۔ (ص ۱۶۰ و ۵۸) یعنی نورؔ آپ کی صفت ہے۔

دوسری دلیل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورؔ ہونے کی دوسری دلیل یوں پیش کی گئی ہے، کہ امام عبدالرزاقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

یا جابرؓ ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ الحدیث

اے جابرؓ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے سبب)

(زرقانی شرح مواہب جلد ۱ ص ۔ ونشر الطیب ص۵ وغیرہ) سے پیدا کیا۔

اِس روایت سے آپ کے نور ہونے پر استدلال کیا گیا ہے لیکن یہ احتجاج درست نہیں ہے اوّلاً اس لیے کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاقؒ شیعہ تھے گو غالی نہ تھے، مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں، ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۳۱) اور خصوصاً فضائل کے بارے میں توانہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا۔ چنانچہ ملک المظفر ابوبکر بن ایوب الحنفیؒ (المتوفی) لکھتے ہیں کہ :۔

قال ابن عدیؒ حدث عبدالرزاقؒ باحادیث فی الفضائل لم یوافقه احد علیها الخ (السہم المصیب ص ۱۳۰)

(محدّث) ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ عبدالرزاقؒ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی۔

اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں ہیں کہ عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اور ان کے بھانجے احمد بن عبداللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں جس کی وجہ سے وہ کاذب مشہور ہو گئے تھے۔ (قانون الموضوعات ص ۲۶۹) یعنی خارجی طور پر ان کے بھانجے کی کارستانی اور نالائقی کی وجہ سے یہ نظریہ بعض لوگوں نے ان کے بارے میں قائم کر لیا تھا، ورنہ ذاتی طور پر وہ ثقہ اور ثبت تھے، وثانیاً مصنف عبدالرزاق کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار ہے، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) میں فرماتے ہیں کہ :۔

واکثر آن احادیث معمول به نزد فقهاء نشده اند بلکه اجماع بر خلاف آنها منعقد گشته (عجالہ نافعہ ص۷)

اس طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہاء کرامؒ کے نزدیک عمل نہیں ہوا بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔

یعنی اس طبقہ کی بھی روایات بے بنیاد نہیں بلکہ اکثر ایسی ہیں خصوصاً جو قرآن کے

کے خلاف ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (المتوفی ۱۳۷۳ھ) مصنف عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل ومناقب میں اس کی روایتوں کا کم اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں پس وپیش ہے۔ اِس تردد کو قوت اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے قلم تقدیر کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اول ماخلق اللّٰہ القلم (سیرت النبی جلد ۳ ص ۷۳۳) وثالثًا یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ان اول ماخلق اللّٰہ القلم فقال له اکتب ۔الحدیث (ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۰ وطیالسی ص ۷۹ وترمذی جلد ۲ ص ۱۶۷ وقال حسن صحیح غریب والبدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۸ وقال اخرجه احمد)

بے شک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، پس اس سے فرمایا کہ تو لکھ۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ نے حاشیہ میں اس روایت کا حوالہ بخاری کا دیا ہے، لیکن یہ روایت بخاری میں نہیں ہے یہ ان کا وہم ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

والوارد فی اوّل ماخلق اللّٰہ حدیث اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ وھو ثبت اھ (بحوالہ موضوعات کبیر ص ۳۱)

یعنی سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں جو پایۂ ثبوت کو پہنچنے والی روایت وارد ہے وہ اوّل ماخلق اللّٰہ القلم ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر پیدا کیا ہے۔ جب صحیح روایت سے قلم کی اوّلیت ثابت ہے تو بلا وجہ اس کو بجائے اوّل حقیقی کے اوّل اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں ہے، اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اوّل المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے، وہاں قلم، عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے، مگر نور کا ذکر وہ نہیں کرتے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نور والی روایت ان کے نزدیک ثابت نہیں ورنہ اختلاف کے مقام پر توضرور اس کا تذکرہ کر دیتے، ہاں ملّا علی ن القاریؒ نے مرقات ج ۱ ص ۱۴۶ اور جمع الوسائل میں اوّل مخلوقات آپ کا نُور ذکر کیا ہے، لیکن خود ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ نور سے مراد روح ہے۔

ورابعاً، جس طرح روایت میں آپ کے نُور کی اوّلیت کا ذکر آتا ہے، اسی طرح روح مبارک کی اوّلیت کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ حضرت ملّا علی ن القاری الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

فانه کما قال صلی اللّٰه علیه و سلم اوّل ما خلق اللّٰه روحی وسائر الارواح انما خلق ببرکة روحه ونور وجوده اھ (شرح الشفاء جلد ۱ ص ۱۵ طبع مصر)	پس بے شک جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور باقی تمام ارواح آپ کی روح اور آپ کے وجود کے نور کی برکت سے پیدا ہوئے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

قوله اوّل ما خلق اللّٰه نوری و فی روایة روحی ومعناهما واحد فان الارواح نورانیة ای اوّل ما خلق اللّٰه من الارواح روحی انتهیٰ	آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح پیدا کی اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیونکہ ارواح نورانی چیز ہے تو مطلب

(مرقات ج ۱ ص ۱۶۷ طبع امدادیہ ملتان) یہ ہو کہ سب ارواح سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اوّل ما خلق اللہ نوری کی روایت آتی ہے، اسی طرح اوّل ما خلق اللہ روحی کی روایت بھی آتی ہے اور نور سے روح مُراد ہے کیونکہ وہ بھی ایک نورانی چیز اور جوہر لطیف ہے جو پورے بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ان اللہ خلق روحہ قبل سائر الارواح وخلع علیہا خلعۃ التشریف بالنبوۃ الی ان قال وھذا ھو المراد بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ خلق نورہ قبل ان یخلق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام الخ (نسیم الریاض جلد ۲ ص ۲۰۱ طبع مصر)	بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک کو تمام ارواح سے پہلے پیدا کیا اور اس کو خلعت نبوّت سے مشرف کیا، پھر آگے فرمایا کہ اور یہی مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول سے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کی خلقت سے پہلے آپ کا نور پیدا کیا۔

غالباً انہی حوالوں کے پیشِ نظر حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے نور محمدی کا مطلب روح محمدی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیّۃ) بیان کیا ہے (حاشیہ نشر الطیب ص ۵) اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲ میں دعوےٰ کیا ہے، تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا، اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہلِ بدعت کا وتیرہ ہے، قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے ہماری تحقیق کی رُو سے مسئلہ حاضر و ناظر، علم غیب اور نور وغیرہ اہل بدعت نے

ان شیعہ حضرات سے لیا ہے جنھوں نے نظریہ کا مدار صرف لفظ نُور پر ہی رکھ لیا ہے حالانکہ خود شیعہ کی معتبر و مستند کتاب اصولِ کافی میں تصریح ہے کہ نور سے مراد رُوح ہے اصل عبارت یوں ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ یا محمد انی خلقتك وعلیًّا نورًا یعنی روحاً بلا بدن اھ۔ (اصول کافی مع الصافی جلد سوم حصہ دوم ص۱۲۲ طبع لکھنو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے تجھے اور علیؓ کو نورؔ پیدا کیا یعنی روح بلا بدن۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک بھی نُور سے مراد روح ہے۔

الغرض اس روایت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا (جس کا ثبوت نصوص قطعیہ سے ہے) انکار کرنا بالکل مردود ہے۔

فائدہ :- اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں۔

مثلاً یہ کہ، اوّل ما خلق اللہ نوری۔ اَنَا مِنْ نور اللہ والمومنون مِنّی۔ ان اللہ لما خلق نور نبیّنا امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء الخ اور لما خلق اللہ آدم جعل ذٰلك النور فی ظہرہ الخ مگر کوئی بھی صحیح نہیں. من ادعیٰ صحتہا فعلیہ البیان بالبرھان۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرہ کے نورُ سے ایک مٹھی لی پھر آگے لکھا کہ وہ مٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی اسی سے سارا جہان پیدا ہوا اور یہ کہ آپ اپنے والدین کی خلقت سے پہلے ہی موجود تھے اور آپ جبرائیلؑ کی آمد سے پہلے ہی قرآن کے حافظ تھے۔ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ کل ذٰلك کذب مفتری باتفاق اھل العلم بحدیثہ انتہیٰ (آثار المرفوعہ ص۲۷۳ مولانا عبدالحی لکھنویؒ) یہ سب کا سب جھوٹ اور افترا ہے علم حدیث کے جاننے والوں کا اس پر اتفاق ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے :-

خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری الخ لیکن اس کی سند میں احمد بن یوسف المسیحی ہے۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد الکنانیؒ (المتوفی ۹۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابونعیمؒ فرماتے ہیں۔ ھذا باطل اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں ھذا کذب۔ (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ص۳۳۷)۔

ان باطل اور موضوع روایات کے چکّر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کے نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر احادیث کی تاویل بے جا کریں، اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں، اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں

تیسری دلیل :- متعدد کتابوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نورؐ تھے، ورنہ بشر کا سایہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یُریٰ لہ ظل فی شمس ولا قمر اھ (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص۶۸)	حکیم ترمذیؒ نے عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی کے طریق سے عبدالملک بن الولید سے اور انہوں نے ذکوانؒ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا، اور نہ چاند میں۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر بھی نہ تھے۔

الجواب :- یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی نامی ایک راوی ہے، امام عبدالرحمنؒ بن مہدیؒ اس کو جھوٹا کہتے تھے، اور امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف ہے۔

اور وہ محض ہیچ اور متروک الحدیث ہے۔ امام ابو زرعہؒ اس کو کذّاب کہتے ہیں۔ امام مسلمؒ بن الحجاج فرماتے ہیں کہ وہ ذاہب الحدیث ہے، امام ابو علیؒ فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا (کان یضع الحدیث) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے، اور امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۰، ص۲۵۱ و ص۲۵۲)

یہ تمام جرحی کلمات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں میں نقل کئے ہیں، اور یہ اضافہ کیا ہے کہ محدث ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اکثر احادیث میں ثقات نے ان کی متابعت نہیں کی، اور حاکم ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذاہب الحدیث ہے، اور امام ابو نعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ لاشیٔ ہے (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۵۹)

وثانیاً حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول عن عبد الرحمٰن بن قیس وھو مطعون عن عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید وھو مجھول عن ذکوان اھ۔	حکیم ترمذیؒ نے یہ روایت اپنی کتاب نوادر الاصول میں عبد الرحمٰن بن قیس کے طریق سے ذکر کی ہے اور عبد الرحمٰن مطعون ہے اور اس نے عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید سے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور اس نے ذکوان سے روایت کی ہے۔ الخ

(شرح الشفاء جلد ۲ ص۲۸۲ طبع مصر)

تو اس کڑی میں کذّاب اور وضاع راوی کے ساتھ ایک مجہول راوی بھی شریک ہو گیا ہے وثالثاً ذکوانؒ تابعی ہیں، اور ان کی براہ راست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت و سماعت نہیں ہے کوئی عملی اور فرعی مسئلہ ہوتا تو پھر معاملہ جدا تھا، مگر بات عقیدہ کی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ایسی بے سرو پا روایات کو کون تسلیم کرتا ہے؟

اور ان پر دین کی بنیاد کیوں کر رکھی جا سکتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود امام سیوطیؒ دوسرے مقام پر عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کذاب وضاع (مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء ص) اور یہ روایت بھی نوادر الاصول کی ہے جس کے مصنف ابوعبداللہ محمد بن علی الحسینؒ (المتوفی ۲۵۵ ھ) ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر وارد (بستان المحدثین ص ۶۸)	یعنی نوادر الاصول کی اکثر حدیثیں غیر معتبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سایہ تھا

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سایہ نہ ہونے کی بے بنیاد روایت تو دیکھ لی، اب اس کے مقابلہ میں دو صحیح حدیثیں سایہ کے ثبوت کی بھی ملاحظہ کر لیں، کیوں کہ وبضدھا تتبین الاشیاء۔

۱۔ امام حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحافظ (المتوفی ۴۰۵ ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ:۔

بینما النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یصلی ذات لیلۃ اذ مد یدہٗ ثم اخرھا فقلنا یا رسول اللہ انک صنعت فی ھٰذہ الصلوٰۃ شیئًا لم تکن تصنعہ فیما قبلہ، قال اجل انہ عرضت علی الجنۃ فرأیت فیھا دالیۃ قطوفھا دانیۃ فاردت ان اتناول منھا شیئًا فاوحی الی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹا لیا پس ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ نے اس سے قبل نہیں کی، فرمایا ہاں بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں انگور کے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے

ان استأخروا ستأخرت و عرضت على النار فيما بيني و بينكم حتى رأيت ظلي وظلكم فيها فأومأت اليكم ان استأخروا فاوحي الي ان اقرهم فانك اسلمت واسلموا وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا فلم ار لك فضلاً عليهم الا بالنبوة فاولت ذلك مايلقي امتي بعدي من الفتن، انتهى۔

(مستدرک جلد ۴ ص۴۵۶ قال الحاکم والذھبی صحیح۔)

پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا، اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی، یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ سو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکا رہنے دے، کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے بھی، تو نے بھی جہاد کیا اور انہوں نے بھی پس میں تیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیکھتا پس میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔

امام حاکمؒ اور ناقد فن رجال علامہ شمس الدین ابو عبداللہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) دونوں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے بھی یہ روایت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو حادی الارواح الی بلاد الافراح ص۱۱۴)

اِس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا جس طرح کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوزخ کی آگ کے شعلوں کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ بھی دیکھا، اگر آپ کا سایہ نہ ہوتا تو اس آگ کی روشنی میں اپنا سایہ دیکھنے کا کوئی معنی نہیں جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے، اور اس سفر میں بعض دیگر ازواج مطہراتؓ بھی آپ کے ساتھ تھیں، حضرت

صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہوگیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھا، آپ نے فرمایا کہ صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہے۔ اے زینبؓ اگر تو اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا، انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دے دوں؟ ان کے اس نازیبا جواب سے آپ ناراض ہوگئے، اور آپ نے ذوالحجہ محرم دو یا تین ماہ حضرت زینبؓ کے پاس جانا ہی ترک کر دیا۔

قالت حتی یئست منہ وحولت سریری قالت فبینما انا یوما بنصف النھار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلا الخ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۲۶ طبع بیروت)

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہوگئی، اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی، فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آرہا تھا۔

اس حدیث کے راوی یہ ہیں:۔

(۱) عفان بن مسلم (صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام عجلیؒ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں امام ابوحاتمؒ ان کو ثقہ امام اور متقن کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ کثیر الحدیث، ثبت اور حجت کہتے ہیں۔ امام ابن خراشؒ ان کو ثقۃ من خیار المسلمین اور محدث ابن قانعؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں)۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۳۱ و ص ۲۳۴)

(۲) حمادؒ بن سلمہؒ (علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۹)

(۳) ثابت بنانی (یہ بھی صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں امام نسائیؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳)

(۴) شمیسہؒ ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں مقبولۃ من الثالثۃ ۔ (تقریب ص۴۲۳ طبع فاروقی دہلی) کہ تیسرے طبقہ کے راویوں میں سے ہے اور مقبول ہے، اور ان پر کسی کی کوئی جرح منقول نہیں ہے ۔

(۵) حضرت عائشہؓ ۔ غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں، اور یہ روایت مسند احمد اور مجمع الزوائد میں بھی ہے، اس کے الفاظ آخر میں یوں ہیں ۔

فلما کان شهر ربیع الاوّل دخل علیها فرأت ظله فقالت ان هذا لظل رجل وما یدخل علی النبی صلی الله علیه وسلم فمن هذا؟ فدخل النبی صلی الله علیه وسلم (مسند احمد جلد ۶ ص۳۳۶ و مجمع الزوائد جلد ۴ ص۳۲۳)	یعنی جب ربیع الاوّل کا مہینہ آیا تو آپ ان کے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ جب انھوں نے آپ کا سایہ دیکھا، تو انھوں نے کہا کہ یہ سایہ تو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے؟ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے ۔

مسند احمد کے راوی یہ ہیں :-

۱۔ عبدالرزاق (الحافظ الکبیر) جن کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے ۔
(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۳۳۱)

۲۔ جعفر بن سلیمانؒ ۔ امام احمد ان کو لا بأس به اور امام ابن معینؒ ثقہ کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور امام ابو احمد حسن الحدیث کہتے ہیں ۔ امام ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، امام بزارؒ ان کو مستقیم الحدیث کہتے ہیں ۔
(تہذیب التہذیب ج ۲ ص۹۵ تا ص۹۸ محصلہ)

۳۔ ثابت بنانیؒ

۴۔ شمیسہؒ

۵۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی ۔ اس کے جملہ رواۃ بھی ثقہ ہیں ۔

ان صحیح روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باقاعدہ سایہ تھا، جب نصوص قطعیہ سے آپ کی بشریت ثابت ہے تو بشریت کے تمام لوازمات جن میں ایک سایہ بھی ہے، ثابت ہے اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ چنانچہ ان کی مستند کتاب الکافی مع الصافی جلد ۳ حصہ دوم ص۱۵۲ میں ہے ولم یکن لہ فی الخ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا مشہور شیعی عالم خلیل قزوینی اس کا مطلب یہ کرتے ہیں کہ :-

وبہ بود اور اسایہ یعنی ہمیشہ ابری میان او وقرص آفتاب بود الخ	آپ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹکیا کے درمیان حائل رہتا تھا۔
(الصافی ج سوم حصہ دوم ص۱۵۲ طبع لکھنؤ)	

ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سایہ کی جو نفی ہو رہی ہے، اس سے وہ بھی مطمئن نہیں ہیں، اور تاویل پر مجبور ہیں لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کے سایہ کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اس لحاظ سے بھی مشکل ہے کہ پورے تریسٹھ سال تک سورج اور چاند میں، دن اور رات کو سفر و حضر میں ہمیشہ بادل کا سایہ آپ کے سر پر ہوتا رہا؟ لہٰذا اس بے ثبوت اور بے سند بات کو کون تسلیم کرتا ہے؟ مستزاد براں یہ کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سخت دھوپ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بعض اوقات حضرات صحابہ کرامؓ سایہ کرتے تھے، اگر بادل کا سایہ ہر وقت آپ پر ہوتا تو اس کی ضرورت حضرت صحابہ کرامؓ کو پیش نہ آتی، چنانچہ بخاری شریف میں ہجرت کی طویل حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع حضرت ابو بکرؓ کے ربیع الاول کے مہینہ میں سوموار کے دن قباء میں بنی عمرو بن عوف کے پاس فروکش ہوئے تو جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلے گئے۔

حتّٰی اصابت الشمس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکرؓ حتّٰی ظلل علیہ بردائہ فعرف الناس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند ذٰلک الحدیث (بخاری ج۱ ص۵۸۵)	یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورج لگا تو حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور اپنی چادر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیا، تب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا۔

اِس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور سورج کے درمیان ہمیشہ ابر حائل نہیں ہوتا تھا، ورنہ سورج کی گرمی سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی چادر سے سایہ کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

پنجم :- مولوی احمد رضا خان صاحب ص۳۳ پر وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کا معنی کرتے ہیں اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ اور مولوی نعیم الدین صاحب اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں :-

" اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحرم الٰہی نورِ نبوّت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقتِ ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں"، انتہیٰ۔

تنقید مفسرین کرامؒ نے شہید کے معنی حاضر، قائم بالشہادہ، ناصر اور امام وغیرہ کے کئے ہیں، اور عموماً مفسرین کرامؒ نے شہید کے معنی اس مقام پر گواہ کے کئے ہیں۔ خان صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ گواہ کے لیے مجلس میں موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ الشہادت بالتسامع (یعنی سُن کر گواہی دینا) بھی درست ہے، تو نگہبان کا لفظ خانصاحب نے زیادہ کیا تاکہ ان کے مسلک کے اختراعی عقیدہ حاضر و ناظر پر روشنی پڑے اور مولوی نعیم الدین صاحب نے تو صاف لفظوں میں لکھدیا کہ آپ ہر شخص کی حقیقت ایمان اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں، لیکن یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ کے سراسر خلاف ہے، اوّلاً اس لیے کہ سورۂ بقرہ پہلے نازل ہوئی ہے جس میں شہید کا لفظ ہے، اور سورۂ توبہ بعد کو نازل

ہوئی ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کو بھی نہ جانتے تھے جیسا کہ تبرید النواظر میں اس کی مفصل بحث کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ نور اس کے بعد نازل ہوئی جس میں معاذ اللہ حضرت عائشہؓ پر اتہام کا اور پھر ان کی صفائی کا ذکر ہے، اگر آپ ہر شخص کی حالت سے واقف ہوتے تو ام المومنینؓ کو پیچھے چھوڑتے ہی کیوں؟ اور اسی طرح سورۃ منافقین بھی اس کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں منافقین کے ایک مکر اور جھوٹ کا ذکر ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچا تصور فرمایا (اور ایک سچے صحابی حضرت زید بن ارقمؓ کو جھوٹا فرمایا) لیکن نزول وحی کے بعد حقیقت منکشف ہوئی، اسی طرح سورۃ تحریم بھی اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک کارروائی کا ذکر ہے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا، اور ان کی اصل کارروائی اور حالات کا نزولِ سورت کے بعد علم ہوا، اور دیگر متعدد واقعات قرآن کریم سے ثابت ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نگہبان اور ہر شخص کی حقیقتِ ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاق و نفاق پر مطلع ہونے کی قطعاً نفی ہوتی ہے پھر کیونکر شہید کے معنی نگہبان اور حاضر و ناظر تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟ وثانیاً صحاح ستہ کی بے شمار صحیح حدیثیں اس نظریہ کا بطلان کرتی ہیں، سورۃ مائدہ جس میں تیمم کا حکم ہے سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں تیمم کا حکم ہے، اور بخاری جلد ۲ ص ۶۶۳ میں آتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تلاش کیا، اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی تلاش کیا، مگر نہ ملا، حاضر و ناظر سے بھی بھلا کوئی چیز مخفی رہتی ہے؟

مولوی نعیم الدین صاحب نے کہا ہے کہ ہار گم ہونے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بتانے میں بہت حکمتیں ہیں بلفظہٖ (ص۱۲۲ و ۱۲۳) بجا ہے، ایک حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو علم غیب تھا، اور نہ آپ حاضر و ناظر

ہیں، اور سب سے بڑی اور اصل حکمت یہی ہے، جو منصوص ہے اور ۷ھ میں خیبر کے مقام پر آپ کو زہر خورانی کا واقعہ بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ وغیرہ میں موجود ہے جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا اور نہ آپ نگہبان اور حاضر و ناظر تھے، اس کی بالا مزید علیہ بحث تبرید النواظر میں ملاحظہ کریں تاکہ طرفین کے دلائل سامنے آجائیں۔

ششم۔ ص۵۵ ا ۱۳ چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو وہ حرام نہیں جیسے عبداللہ کی گائے عقیقے کا بکرا ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کو ثواب پہنچانا منظور ہو، اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو، اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیّب ہیں، اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو، وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنیٰ میں غلطی کرتے ہیں، اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے، اور خود آیت ان کے معنیٰ کو نہیں بننے دیتی کیونکہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سے حلال ہوگا، غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں انتہیٰ بلفظہٖ۔

تنقید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے محض اپنے ایک باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے، اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے جو چند وجوہ سے مردود ہے، اوّلاً اس لیے کہ اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں مشہور لغوی علامہ ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی

الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) اہلال کا معنیٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اهلوا الهلال واستهلوه رفعوا اصواتهم عند رؤيتہ۔ و استهلال الصبی ان يرفع صوتہ بالبكاء عند ولادتہ الاهلال رفع الصوت لقول لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ ومنہ قولہ تعالٰی وما اهل بہ لغير اللہ واهل المحرم بالحج رفع صوتہ بالتلبية۔ (مغرب جلد ۲ ص ۲۷۴)	یعنی چاند دیکھنے کے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کو اہلال اور استہلال کہتے ہیں اور اسی طرح جب بچہ پیدائش کے وقت آواز بلند کرے تو کہا جاتا ہے استہل الصبی اور اہلال کا معنیٰ ہے بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اور اسی سے ہے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ اور حاجی جب احرام باندھ کر بلند آواز سے لبیک پڑھتا ہے، تو اس کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلال کے مفہوم اور معنیٰ میں ذبح کی قید ملحوظ نہیں ہے، اور اِس کا اصل معنیٰ ہی آواز بلند کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ (المتوفی ۵۰۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاهلال رفع الصوت برؤية الهلال ثم استعمل لكل صوت وبہ شبہ اهلال الصبی وقولہ تعالٰی وما اهل بہ لغير اللہ ای ما ذكر عليہ غير اسم اللہ وهو ما كان يذبح لاجل الاصنام۔ (مفردات ص ۵۶۶ طبع مصر)	چاند دیکھتے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے، اس کو اہلال کہتے ہیں پھر یہ مطلقاً ہر آواز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اسی سے پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز کو اہلال کہتے ہیں، اور مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور وہ اصنام کی خاطر ذبح کیا جائے۔

اِس عبارت میں بھی اِس امر کو آشکارا کیا گیا ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے لیے شہرت دی گئی ہو اور اصنام کی خاطر جس کو ذبح کیا جائے وہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ

کہلاتا ہے یعنی اہلال کا معنیٰ نہ تو ذبح کے لیے ہے، اور نہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام اس پر لینا شرط ہے، ہاں غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا، اور شہرت دینا اس میں ملحوظ ہے، یہ یاد رہے کہ اصنام محض اینٹ اور پتھر کے بن گھڑے ٹکڑوں کا نام نہیں، بلکہ جو انسانی شکل و صورت پر ہوں انکو اصنام و اوثان کہتے ہیں، چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ (المتوفی ۳۱۰) اور علامہ علی بن محمد الخازنؒ (المتوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاصنام جمع صنم وھو التمثال الذی یتخذ من خشب او حجارۃ اوحدید او ذھب او فضۃ علی صورۃ الانسان وھو الوثن ایضاً (تفسیر ابن جریر جلد ۶ ص ۱۵ و تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۲۲)	اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ ایسا مجسمہ ہوتا ہے جو لکڑی یا پتھر، یا لوہے، یا سونے یا چاندی (وغیرہ) سے انسانی صورت پر بنایا جائے اور وثن بھی اسی کو کہتے ہیں۔ (جس کی جمع اوثان آتی ہے)۔

یعنی جن لوگوں نے بتوں کے نام پر بھی نذرانے چڑھائے ہیں تو ان کو اینٹ اور پتھر وغیرہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ان انسانوں اور بزرگوں کے نمونے اور ان کے مجسمے ہیں جن کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت اور فریفتگی وابستہ ہے، تو عقیدت پتھر وغیرہ سے نہیں بلکہ انسانی ہستیوں سے ہے۔

اور علامہ ابو الفضل محمد بن عمر قرشیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ ای نودی علیه لغیر اسم الله واصله رفع الصوت اھ (صراح ص ۴۴۹)	وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کا معنی یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام اس پر لیا جائے (یعنی نامزد کیا گیا ہو) اور اہلال کا اصل معنی آواز بلند کرنے کے آتا ہے۔

اور امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:۔

وانما قیل وما اهل به لانهم	وَمَا أُهِلَّ بِهِ اس کو اس لیے کہا گیا

كانوا اذا ارادوا ذبح ما قربوه لآلهتهم سمّوا اسم آلهتهم التى قربوا ذلك لها وجهروا بذلك اصواتهم اھ

ہے کہ اہلِ جاہلیت جب اپنے حاجت رواؤں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے تو ان جانوروں پہ اپنے مشکل کشاؤں کے نام لیتے اور بلند آواز سے اسکی تشہیر کیا کرتے تھے۔

اِس عبارت سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ وہ لوگ اپنے فرضی الٰہوں کے نام پر جانوروں کو ذبح تو بعد کو کرتے مگر ان کی تشہیر اور اپنی خوش عقیدتی کی وجہ سے ان جانوروں کو تقرب اور تعظیم کے طور پر ان کی طرف منسوب پہلے کرتے تھے کہ مثلاً یہ فلاں بزرگ کا بکرا اور یہ فلاں ولی کی بھیڑ ہے، اور اسی نامزد کرنے کو اہلال کہتے ہیں۔ تفسیر مدارک اور بیضاوی وغیرہ میں اہلال کے معنی رفع الصوت کے کئے ہیں غرضیکہ وَمَا أُهِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقیّد کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ ہاں بعض مفسرین کرامؒ نے عام رواج کے پیشِ نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفی محدث دہلویؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ :-

اور اُهِلَّ کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت اور عرف کے ہے اھلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں معنی ذبح کے نہیں آیا ہے، کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے، جیسے آواز طفلِ نو اور شہرت چاند اور بمعنی آوازِ حج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے، اگر کوئی کہے اھللت للہ ہرگز بمعنی ذبحت للہ نہ سمجھا جاوے گا اور نیز اگر اُهِلَّ کو ذبح پر حمل کریں، پس ذبح بغیر اللہ مُراد ہوگی، ذبح باسم غیر اللہ کہاں مُراد ہوگی۔ تاکہ مدعا ان آدمیوں کا حاصل ہو، پس اس عبارت میں اہلال کو بمعنی ذبح لینا اور پھر بغیر اللہ کو بجائے اسم غیر اللہ کرنا قریب تحریف کلام الٰہی کے پہنچتا ہے۔

(تفسیر عزیزی پارہ سیقول جلد ۲ صفحہ ۳۸ اردو) اور یہی شاہ صاحبؒ اس کی مزید تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق ، اس جانور میں لغیر اللہ واسطے غیر خدا کے خواہ وہ غیر بُت ہو یا روحِ خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں ، اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط ہو اور بدون لینے جانور کے دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ سب حرام ہے ، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے ۔ (تفسیر عزیزی جلد ۲ صفحہ ۳۸ اردو) اور حضرت شاہ صاحب موصوفؒ ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے کہ جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہو گا ۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیرِ خدا ہو گیا ، اور اس میں پلیدی ہو گئی اور خبث اس کا مُردار کے خبث سے زیادہ ہے ۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا ہے ، اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے ، اور جب کہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کر سکتا جیسے کہ کتا اور سور کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کیے جائیں حلال نہ ہوں گے ، حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب بغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے (تفسیر عزیزی جلد ۲ صفحہ ۳۸ اردو)

اور یہی حضرت شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ :-

در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ	صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے ، بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے اس بات کی تشہیر کر

چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب باآں غیر گشت و خبثے دراں پیدا شد کہ زیادہ از خبثِ مردار است و ہرگاہ ایں خبث دروے سرایت کرد دیگر بذکرِ نامِ خداوند حلال نمی شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنامِ خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔

(فتاوٰی عزیزی جلد ا ص۵۶)

دی کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت اس پر خدا تعالیٰ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ جب وہ جانور بطور تقرب غیر کی طرف منسوب ہوگیا تو اُس میں مردار سے بڑھ کر پلیدی ہوگئی، اور اس میں جب یہ نجاست سرایت کرگئی تو اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہ ہوگا جسطرح کتا اور خنزیر کہ اگر ان پر خدا تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کیا جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوتے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اسی قسم کے ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں :۔

الجواب :۔ جو جانور غیر کے نام کا ہو اُس کو اُس ہی نیّت سے ذبح کرنا، بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے، اور جانور حرام ہی رہتا ہے ایسے جانور کو ذبح نہ کرے، اور کسی کا بجا کہنا بوجہ مالک ہونے کے درست ہے مگر کسی کی تعظیم و قربت کا کہنا حرام ہے۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اس میں کچھ حرج نہیں تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے نہ مالک ہونے سے کسی بشر کے دونوں میں فرق ہے۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوٰی جلد۲ ص ۱۵ طبع جید برقی پریس دھلی)

اس ساری بحث سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اہلال کے معنی ذبح کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ شہرت دینے اور تقرب و تعظیم کے طور پر نامزد کرنے کے ہیں، یعنی جس جانور کو غیر اللہ کے تقرّب اور تعظیم کے لیے شہرت دی گئی ہو، اور

نامزد کیا گیا ہو اس کو اگرچہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہی رہے گا جس طرح کتا اور خنزیر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے بعینہٖ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد کیا ہوا جانور بھی اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتا۔ رہے وہ جانور جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت شرعی اور عُرفی ہو تو وہ محلِ نزاع سے خارج ہیں۔ ان کو درمیان میں لانا نری جہالت ہے۔ مثلاً عبد اللہ کی گائے عقیقے کا بکرا ولیمہ کا جانور وغیرہ کیونکہ عبد اللہ کی گائے سے مُراد ہے جس کا وہ شرعی طور پر مالک ہے نہ تو اس میں عبد اللہ کا تقرّب ملحوظ ہے، اور نہ اس کی وہ تعظیم جو مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح عقیقہ اور ولیمہ کے جانور سے وہ جانور مراد ہے جو شریعت کے حکم کی پیروی میں ذبح کیا جاتا ہے نہ اپنی طرف سے اس کا التزام ہے، اور نہ اس میں نومولود اور دولہا وغیرہ کا تقرب مطلوب ہوتا ہے اور نہ بجز ثواب کے اپنے نفع و نقصان کا کوئی پہلو ہی ان سے وابستہ ہے۔

وثانیاً، جن مفسرین کرامؒ نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ صرف اسی میں منحصر ہے، بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شِقّ کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا ہے، اور صنم وغیرہ کی قید محض اتفاقی ہے، احترازی نہیں، علاوہ ازیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے مُراد صرف بت ہوں جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں تو سورۃ المائدہ میں اسی آیت میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کا معنیٰ یہ ہے۔ اور وہ جانور بھی حرام ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیے جائیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا بھی یہی مطلب ہو۔ تو واؤ عطف کے ساتھ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا ذکر بیکار ہوگا اور تکرار بھی لازم آئے گا جو فصاحت کے خلاف ہے۔ چنانچہ

امام قونویؒ فرماتے ہیں کہ :-

قید الصنم لرد المشرکین والا فالمراد غیر اللّٰہ مطلقاً سواء کان صنماً او غیرہ ۔ (بحوالہ تفسیر اکلیل ص ۱۸۱)

صنم اور بُت کی قید مشرکین کے رد کے لیے ہے، ورنہ مراد مطلقاً غیر اللہ ہے صنم ہو یا کوئی اور شے ہو۔

علامہ ابوحیان اثیر الدین محمد بن یوسف الاندلسیؒ (المتوفی ۷۴۵ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرکے آگے لکھتے ہیں کہ :-

والذی یظہر من الآیۃ تحریم ما ذبح لغیر اللّٰہ فیندرج فی لفظ غیر اللّٰہ الصنم والمسیح و الفخر واللعب وسمی ذلک اھلالاً لانھم یرفعون اصواتھم باسم المذبوح لہ عند الذبیحۃ ثم توسع فیہ وکثر حتی صار اسما لکل ذبیحۃ جھر اولم یجھر کالاھلال بالتلبیۃ صار علماً لکل محرم رفع صوتہ اولم یرفعہ (تفسیر البحر المحیط ج ۱ ص ۴۸۹ طبع مصر)

جو چیز اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے جو جانور بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے پس لفظ غیر اللہ میں بت حضرت مسیح علیہ السلام، فخر اور کھیل سبھی شامل ہیں اور اس کو اس لیے اہلال کہتے ہیں کہ وہ لوگ ذبح کے وقت اس شخص کا نام بلند کرتے تھے جس کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، پھر اس میں یہ وسعت اور کثرت آگئی کہ ہر ذبیحہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا خواہ اسمیں آواز بلند ہو یا نہ ہو جیسے تلبیہ کہنے کو اہلال کہتے ہیں اور یہ ہر محرم کی علامت ہے۔ وہ آواز بلند کرے یا نہ کرے (اصل میں آواز کی بلندی اس میں ملحوظ ہے)

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا لفظ صرف صنم وغیرہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی بزرگ شخصیت بھی شامل ہے، اور جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے گا، اس طور پر کہ اس میں غیر کا تقرب وتعظیم ملحوظ ہو تو ایسا جانور یقیناً حرام ہے، اور اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ شامل ہے، اور علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

والمراد لغیر اللہ الصنم وغیرہ کما ھو الظاھر وذھب عطاءؒ ومکحول والشعبی والحسن و سعید بن المسیب الی تخصیص الغیر بالاول واباحۃ ذبیحۃ النصرانی اذا سمی علیھا باسم المسیح وھذا خلاف ما اتفق علیہ الائمۃ من التحریم اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۴۲ طبع مصر)	غیر اللہ سے مراد صنم وغیرہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور حضرت عطاءؒ، مکحولؒ، شعبیؒ، حسنؒ اور سعیدؒ بن المسیبؒ اس طرف گئے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد صنم ہے، اور انہوں نے نصرانی کے اس ذبیحہ کو مباح قرار دیا ہے جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو اور یہ ائمہ کرامؒ کے اس اتفاق کے خلاف ہے جس میں انہوں نے اس کی تحریم کا فیصلہ کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ صرف صنم کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے بلکہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں، اگر جانور پر بجائے صنم کے حضرت مسیح کا نام بھی لیا گیا ہو تب بھی وہ ائمہ کرامؒ کی تصریح سے حرام ہی رہے گا۔

مفسرین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور وہ جانور حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ زادہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال العلماء ولو ذبح مسلم ذبیحۃ وقصد بھا التقرب الی غیر اللہ تعالٰی صار مرتد او ذبیحتہ میتۃ (اکلیل ج ۱ ص ۸۱)	علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے تو ذبح کرنے والا کافر اور ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا۔

تفسیر نیشاپوریؒ، روح البیان، کبیر اور تفسیر عزیزی میں غیر اللہ کے تقرب اور جانور کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اور عزیزی کا حوالہ مفصل پہلے بیان

ہو چکا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

لو ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُھِلَّ بہ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَلو ذکر اسم اللّٰہ علیہ۔

(درمختار ص۲۹۹)

اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ وہ اُھِلَّ بہ لِغَیْرِ اللّٰہ کی مد میں ہے، اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر بسم اللہ بھی پڑھی گئی ہو۔

جس طرح دور حاضر میں کسی ملک کے سربراہ اور حاکم کی آمد پر اس کے اعزاز واکرام کے لیے توپیں داغی جاتی ہیں، عہد سابق میں ایسے موقع پر بعض خوشامدیوں اور جی حضوریوں کی طرف سے جانور ذبح کیے جاتے تھے، اور آنے والے مہمان اور بادشاہ کی تعظیم و رضاجوئی میں جانور بھینٹ چڑھائے جاتے تھے، اور بوقت ذبح ان پر باقاعدہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ان کو ذبح کیا جاتا تھا، مگر علماء اسلام اور خصوصاً فقہاء احناف نے ایسے جانوروں کو مَا اُھِلَّ بہ لِغَیْرِ اللّٰہ کی مد میں شمار کیا اور ان کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ بوقت ذبح ان پر بسم اللہ پڑھی جاتی تھی، اور جس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا صنم اور بت بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ امیر و رئیس اور بڑا آدمی ہوتا تھا جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

ولو ذبحہ لقدوم الامیر او لقدوم واحد من العظماء لا یحل اکلہ وان ذکر اسم اللّٰہ علیہ لانہ ذبح لتعظیم خلق اللّٰہ ولہذا لا یضعہ بین یدیہ اھ

(فتاویٰ جلد ۲ ص۹۵)

اور اگر اس نے اس جانور کو کسی امیر یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں، اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو کیونکہ وہ تعظیم خلق اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ اور اسی واسطے وہ اس کے سامنے نہیں رکھا جاتا۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے مراد وہ جانور ہے جو بقصد تقرب الی غیر اللہ ذبح کیا جائے، اور مقصود اراقۃ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو اور جان دینا خالص غیر کے لحاظ سے ہووے، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ اس پر کہی جائے۔ اھ (فتاویٰ جلد ۲ صنہ ۶۰) اور جلد سوم میں ایک استفتاء اور اس کا جواب یوں ہے :۔

اِسْتفتاء :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا بنام شیخ سدو پرورش کیا، بعد چندے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کیا وہ حرام ہے یا حلال، صورت دیگر یوں ہے کہ اس بکرے کو بنام اللہ پرورش کیا، مگر بوقت ذبح شیخ سدو کہہ کے چھری پھیری، پس یہ ذبیحہ کیسا ہے۔ بَیِّنُوْا تُوجروا۔

الجواب ھوالمصوب :۔ یہ دونوں صورتیں مَا اُھِلَّ لغیر اللہ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہوگا، اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ کہی جاوے۔ اھ (جلد ۲ صنہ ۳۱۷)

اور جلد ۲ صنہ ۹۴ پر ہے کہ غیر اللہ کی نذر و منّت حرام ہے، اور منذور غیر خدا کا شیرینی ہو یا فیرینی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے اھ وثالثاً قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے ہیں بِغَیْرِ اللّٰہِ کے نہیں، اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے ہو، اور غیر کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو، اور اسی کے لیے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو، اگر قرآن کریم میں الفاظ بِغَیْرِ اللّٰہِ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جا سکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے۔ اور حدیث شریف میں بھی لِغَیْرِ اللّٰہِ کے الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ :۔

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ الحدیث (مسلم جلد ۲ ص۱۶۰ و ادب المفرد ص۵ و موارد الظمآن ص۲۳ نسائی جلد ۲ ص۱۸۲ و مستدرک جلد ۴ ص۱۵۳)	جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی سخت تردید فرمائی ہے جو جانوروں کو اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی قبروں پر لے جا کر ذبح کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

لا عقر فی الاسلام قال عبد الرزاق کانوا یعقرون عند القبر بقرۃً او شیئاً۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص۱۰۳ سنن الکبریٰ ج ۴ ص۵۷)	اسلام عقر کا قائل ہی نہیں ہے امام عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ عقر کا معنیٰ یہ ہے کہ قبر کے پاس گائے یا کوئی اور جانور لے جا کر ذبح کیا جائے۔

غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا، اور اولیاء اللہ کے لیے جانوروں کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے، بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، ورنہ اگر جانور ہو یا کوئی اور شئے ہو جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہو گی، تو وہ حرام ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الدراھم والشمع	تو بخوبی جان لے کہ وہ نذر و منت جو اکثر عوام مُردوں کے لیے مانتے ہیں، اور جو چیز ہر قسم روپیہ، موم بتی، تیل، اور اس قسم کی

والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم كان يقول يا سيدی فلان ان رد غائبی او قضيت حاجتی فلك من الذهب كذا او من الفضة كذا او من الطعام او الشمع او الزيت كذا باطل وحرام بوجوهٍ منها انه نذر والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة ومنها ان المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها ظن ان الميت يتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ فاعتقاده بذلك كفر اھ

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ و شامی ج ۲ ص ۱۷۵ واللفظ لہ)

دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک ان سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے میرے آقا فلاں اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آگیا یا میری حاجت پوری کردی گئی تو تجھے اتنا سونا، اور اتنی چاندی یا اتنا اناج، یا اتنی موم بتیاں، یا اتنا تیل دوں گا، تو یہ نذر باطل اور حرام ہے۔ اور اس کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ کارروائی نذر ہے، اور نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی مِلک میں نہیں لے سکتی، اور تیسری یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

غور کیجیے کہ ذمہ دار فقہاء کرامؒ نے کس طرح اولیاء کرامؒ کی قبروں تک تقرب کی نیت سے اشیاء لے جانے کو حرام اور باطل کہا ہے۔ اور خود مولوی نعیم الدین صاحب بھی لکھتے ہیں کہ شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے۔ ص ۶۷ و ۵۷۴) اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر یہ ظن بھی ساتھ شامل ہو جائے کہ صاحب قبر ولی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف بھی ہیں تو یہ کفر بھی ہے، حیرت ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواری کس دیدہ دلیری سے نصوص صریحہ

کی باطل تاویل کرتے ہیں اور فقہاء کرام کی واضح عبارات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے، اور پھر غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ "وہابی آیت کے معنی غلط کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں" غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

والنذر الذی یقع من اکثر العوام
بان یأتی الی قبر بعض الصلحاء
ویرفع ستره قائلاً یا سیدی
فلان ان قضیت حاجتی فلك
من الذهب مثلاً كذا باطل
اجماعاً نعم لو قال یا الله انی
نذرت لك ان شفیت مریضی
اونحوه ان اطعم الفقراء الذین
بباب السیدة نفیسة اونحوها
او اشتری حصیراً لمسجدها او
زیتاً لوقودها او دراهم لمن
یقوم بشعائرها مما یكون فیه
نفع الفقراء والنذر لله وذكر
الشیخ انما هو محل لصرف النذر
لمستحقیه یجوز لكن لا یحل صرفه
الا الی الفقراء لا الی ذی علم

اور وہ نذر جو اکثر عوام سے واقع ہوتی ہے
مثلاً یہ کہ کسی نیک کی قبر پر جا کر اس کی چادر
اور پردہ اٹھا کر یہ کہے اے میرے سردار اگر میری
حاجت پوری ہوگئی تو تجھے مثلاً اتنا سونا دیا
جائے گا، یہ نذر بالاجماع باطل ہے ہاں
اگر یہ کہے کہ اے اللہ بے شک میں نے
تیرے لیے نذر مانی ہے مثلاً اگر تو نے میرے
بیمار کو شفا دی تو میں سیدہ نفیسہ کے دربار
پر رہنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا،
یا ان کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا، یا
وہاں (فقراء کے) جلانے کے لیے تیل دوں گا
یا جو شخص ان کی خدمت کا حق ادا کرے گا
اسے دراہم دوں گا، اور ایسی ہی چیزیں جن
میں فقراء کا نفع ہو، اور نذر صرف اللہ تعالیٰ
کے لیے ہو، اور بزرگ کا ذکر محض اس لیے ہے کہ وہ
نذر صرف کرنے

بعلمه ولا لما صنف الشيخ الا ان يكون الحاضر واحد من الفقراء واذا عرف هذا فما يؤخذ من الدراهم ونحوها وينقل الى ضرائح الاولياء تقربا اليهم فحرام بالاجماع مالم يقصد بصرفها الفقراء الاحياء قولاً واحداً وقد ابتلى الناس بذلك هكذا فى النهر الفائق والبحرالرائق انتهى (فتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر)

کی جگہ ہو تو یہ نذر جائز ہے لیکن اس نذر کو فقط فقراء پر ہی صرف کیا جا سکتا ہے، نہ تو کسی عالم پر اس کے علم کی وجہ سے صرف کی جائے، اور نہ وہاں شیخ کے دربار میں رہنے والوں پہ، ہاں مگر یہ کہ وہاں رہنے والا کوئی شخص فقیر ہو تو بات جدا ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو دراہم وغیرہ اولیاء کرامؒ کی قبروں پر ان کے تقرب کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ ان دراہم کو زندہ فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کیا جائے وہ حلال نہیں اس میں صرف ایک ہی قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور (افسوس ہے) کہ لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ ایسا ہی النہرالفائق اور البحرالرائق میں ہے۔

اِس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرامؒ کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے، وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں اگر نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور اولیاء کرامؒ کا نام اس لیے لیا گیا ہو کہ ان کے مزارات پر فقراء رہتے ہیں، اور محل صرف ان کو سمجھ کر وہاں صرف کرتا ہے تو اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، جن حضرات نے نذر اولیاء کو جائز قرار دیا ہے وہ اسی دوسری صورت کے مطابق ہے جیسا کہ شیخ احمد المدعو بملا جیون الجونپوری الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرون لہا ۔ (التفسیرات الاحمدیۃ ص۳۹ طبع علی حلی)	اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو گائے اولیاء کے (دربار پر بیٹھنے والے فقراء کے لیے) نذر مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کا رواج ہے تو یہ حلال وطیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس کو وہ اس کے لیے نذر مانتے ہیں۔

اس عبارت سے جن لوگوں نے غلط مطلب لینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے، اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے جیسا اسی قسم کی تاویل سے نوویؒ نے ابراہیم مروزیؒ کے قول کے بعد رافعیؒ کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جاوے گا اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابلِ تاویل نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس کی دونی قیمت کی چیز ان کو دے کر کہا جاوے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کر دو ہرگز وہ گوارا نہ کریں، اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیّت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا خوب سمجھ لو۔ انتہی بلفظہٖ (تفسیر بیان القرآن ج۱ ص۸۷) ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں۔ امام نوویؒ کی جس عبارت کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے، وہ یوں ہے :۔

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد بہ ان یذبح باسم غیر اللہ	اور بہر حال ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر اس کو ذبح کیا جائے

تعالی کمن ذبح للاصنم او الصلیب
اولموسٰی اولعیسٰی صلی اللہ علیہما
اوللکعبۃ ونحو ذلک فکل ھذا
حرام ولا تحل ھذہ الذبیحۃ سوأ
کان الذابح مسلماً او نصرانیا او
یہودیا نص علیہ الشافعی
واتفق علیہ اصحابنا فان قصد
مع ذلک تعظیم المذبوح لہ غیر
اللہ تعالی والعبادۃ لہ کان
ذلک کفرا فان کان الذابح مسلماً
قبل ذلک صار بالذبح مرتدًّا و
ذکر الشیخ ابراھیم المروزی من
اصحابنا ان ما یذبح عند استقبال
السلطان تقربا الیہ افتی اھل
بخارا بتحریمہ لانہ مما اھل
بہ لغیر اللہ تعالی قال الرافعی
انما یذبحونہ استبشارا
بقدومہ فھو کذبح العقیقۃ
لولادۃ المولود ومثل ھذا
لا یوجب التحریم واللہ اعلم
(شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۱)

جس طرح کوئی شخص بُت یا صلیب یا حضرت
موسٰی یا حضرت عیسٰی علیہما السلام یا کعبہ وغیرہ
کے لیے ذبح کرے تو سب حرام ہے اور
یہ ذبیحہ حلال نہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے
والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی، حضرت
امام شافعیؒ نے صراحت سے یہ بیان کیا ہے
اور ہمارے (شوافع) حضرات اس پر متفق
ہیں، پس اگر اس کے ساتھ غیر اللہ میں سے
جس کے لیے جانور ذبح کیا ہے، اس کی تعظیم
اور پرستش بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔ سو اگر
ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا
تو اس ذبح کے ساتھ وہ مرتد ہو گیا اور ہمارے
حضرات میں سے شیخ ابراہیم المروزیؒ یہ کہتے
ہیں کہ جو جانور بادشاہ کی آمد کی خوشی میں تقرب
(و تعظیم) کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے تو علماء بخارا
نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جانور حرام ہے،
کیونکہ وہ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ
میں داخل ہے۔ امام رافعیؒ (شافعی) فرماتے
ہیں کہ یہ جانور تقرب و تعظیم کے طور پر نہیں بلکہ
محض اس کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جاتا ہے جیسا
کہ بچے کی ولادت کے سلسلے میں عقیقہ کیا جاتا
ہے اور اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت امام رافعی الشافعیؒ نے جو تاویل کی ہے وہ تفصیل طلب ہے بایں طور کہ اگر بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر محض اس کی مہمانی اور ضیافت کے لیے بقدر ضرورت جانور ذبح کیے جائیں اور تقرب و تعظیم کی نیت بالکل نہ ہو تو بجا ہے (اور سلف صالحین جو روح شریعت سے واقف اور اچھے اعتقاد والے ہوتے تھے، اسی نظریہ سے جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ اس کو حرام کہنے اور بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہے) لیکن اگر یہ جانور اس کی تعظیم و تقرب کی نیت سے ذبح کیے جائیں جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ نہ تو آنے والا مہمان ان کو کھاتے اور نہ ضرورت کے مطابق جانور ذبح کیے گئے ہوں بلکہ تعظیم کے طور پر زائد از ضرورت ہوں جیسے آج کل کسی بادشاہ وغیرہ کی آمد پر توپیں داغی جاتی ہیں اور بعینہ اسی انداز اور نظریہ سے جانور ذبح کیے جائیں تو اس صورت میں امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو ہرگز رفع نہیں کرتی، اور پھر امام مروزیؒ کی عبارت میں تقرب کا لفظ صراحت سے موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بات تقرب کی صورت کی ہو رہی ہے محض ضیافت مہمانی کی نہیں ہو رہی تو اس صورت میں اس بیکار تاویل کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ فقہاء بخارا اور امام مروزیؒ نے تقرب کی صورت میں حرمت کا جو فتویٰ دیا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے، بھلا غور فرمایئے کہ آنے والا تو مرغ و بٹیر کھاتے، اور اس کی آمد پر بھینسا اور بیل وغیرہ ذبح کیے جائیں تو کون اس سے سمجھے گا کہ یہ اس کی ضیافت کے لیے ذبح ہوتے ہیں یا مثلاً آنے والے کے ساتھ تو دس آدمی ہوں جو مشکل سے ایک دنبہ کھا سکتے ہوں اور اس کی آمد پر بیسیوں دنبے ذبح کر دیے جائیں تو بظاہر یہ صورت تقرب و تعظیم اور بھینٹ ہی کی ہے، اور فقہاء بخارا کا فتویٰ روح شریعت کے عین مطابق اور بالکل درست ہے اور امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو رفع نہیں کر سکتی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس کا عقیقہ پر قیاس بھی درست نہیں ہے کیونکہ وہاں تقرب اور تعظیم تو سرے سے مقصود نہیں کما لا یخفیٰ اور نہ محض خوشی

ہوتی ہے بلکہ شریعت حقہ کے ایک مستحب حکم کی تعمیل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بچے کی ولادت کے وقت یا ساتویں دن سے پہلے کسی بھی وقت خوشی کرتے ہوئے جانور ذبح کردے تو یہ عقیقہ نہ ہوگا اگر نری خوشی ہوتی تو ولادت کے وقت یہ کام زیادہ مناسب ہوتا۔ خاشاً۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کیونکہ مَا اُهِلَّ بِهٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا، اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا وہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سے حلال ہوگا" یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں، بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے مثلاً وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مُردار جانور جو خود بخود بدون ذبح کے مر چکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کرلو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کرلو تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (معاذاللہ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر وہ ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے؟ کیونکہ بقول مولوی نعیم الدین صاحب کے استثناء ان کو بھی لاحق ہوگی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے، اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کا روائیوں پر اُتر آئے تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عنداللہ و عندالناس رسوا ہوگا (عیاذاً باللہ) وسادساً ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے، لیکن آخر چن چن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اپنے ماں باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ایصال

ثواب میں تو اپنے کسی کام اور ضرورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور نہ تقرب لغیر اللہ کا نظریہ ملحوظ ہوتا ہے اور نہ جس کو ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے، اس سے کسی نفع کی امید رکھی جاتی ہے، بلکہ اُلٹا اس کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہوتا ہے، اگر درمیان میں اپنی کسی حاجت کا ذکر ہو تو یہ ایصال ثواب نہ رہے گا، بلکہ نذر اور تقرب کی مد میں چلا جائے گا اور غیر اللہ کے لیے ایسی نذر اور تقرب حرام ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد، خواہ ولی، خواہ شہید، خواہ غیر ایشاں حرام است و اگر بقصدِ تقرب بنام انہا ذبح کردہ باشد ذبیحہ آں جانور ہم حرام و مُردار میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود و توبہ ازیں فعل ممتنع لازم است و در تفسیر[1] کبیر و نیشا پوری و دیگر تفاسیر مرقوم است قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد بذبحها التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً وذبیحته ذبیحة مرتد انتہیٰ و اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحۂ بزرگی بقصدِ ایصال ثواب بروحِ ایشاں پزندہ بخورانند مضائقہ نیست البتہ جائز است الخ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور کو ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر ہو یا ولی اور عام اس سے کہ وہ شہید ہو یا کوئی اور ہو حرام اور مُردار ہے اور اگر ان کے نام پر تقرب کے ارادہ سے جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے گا اور اس ممنوع فعل سے اس پر توبہ لازم ہے، تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری اور دیگر تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس جانور کے ذبح کرنے سے اس کی مُراد اور قصد غیر اللہ کا تقرب ہو تو ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور مرتد کا ذبیحہ قرار دیا جائے گا (جس کی حرمت پر تمام فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے)

---

[1] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱ و تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص ۱۰۲ اور یہ عبارت تفسیر اکلیل ج ۱ ص ۱۸ میں بھی ہے۔

(بحوالہ زبدۃ النصائح ص۱۳۲)

از مولانا السید جمال الدین حسن علی الہاشمی)

اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اگر ایں طور بگوید کہ حاجت من بر آید برائے فلاں ولی یا بنام فلاں ولی ایں قدر طعام یا ایں قدر نقد است پس ایں قسم نذر کردن باطل است باجماع وخوردن طعام حرام است (مائۃ مسائل ص۱۳۳)	اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو فلاں یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر کھانا یا اس مقدار کی نقد رقم ہوگی تو یہ صورت بالاجماع نذر باطل کی ہے۔ اور اس طعام کا کھانا حرام ہے۔

الغرض مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اور نذر الگ چیز ہے، اور اس کا حکم جدا ہے، اور ایصال ثواب ایک مستقل شئے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس قسم کی غلط فہمی اور مغالطہ آفرینی سے بچائے آمین۔

ہفتم ص۱۵۶ و ۱۵۷ (حضرت عمرؓ کی حدیث بخاری اور مسلم کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ) ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا کہ جس روز یہ (آیت کریمہ) نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں، جمعہ و عرفہ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہؓ سے ثابت ہے، ورنہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم صاف فرما دیتے کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہو اس کی یادگار قائم کرنا اور اس روز کو عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ وہ اعظم نعم الٰہیہ کی یادگار و شکر گذاری ہے انتہی اور ص۱۸۴ و ۱۸۲

میں لکھا ہے کہ یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنائیں اس کی تعظیم کریں خوشیاں منائیں تیری عبادت کریں شکر بجالائیں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا شکر الٰہی بجالانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن ومحمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ انتہیٰ۔

تنقید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اسی طرح آپ کے اقوال وافعال کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہے، اور آپ کی زندگی کے ایک ایک واقعہ کو جو صحیح سند سے ثابت ہو بیان کرنا اور سننا ایمان کی تقویت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا بہترین وسیلہ ہے، اور آپ کی حیات طیبہ اور خصوصاً دور نبوت کے غیر منسوخ اور غیر مخصوص واقعات واحکام کا تذکرہ اور ان پر عمل پیرا ہونا نجات کا عمدہ ترین ذخیرہ ہے کسی مسلمان کو اس میں ذرہ بھر کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت مدارِ ایمان ہے، اور آپ کی طرف جو چیزیں منسوب ہیں بشرط صحت ان سے قلبی لگاؤ اور تعلق اور ان سے عشق ومحبت ایمان کی واضح علامت ہے، سال کا کوئی مہینہ اور مہینے کا کوئی ہفتہ اور ہفتے کا کوئی دن اور دن کی کوئی گھڑی اور گھڑی کا کوئی منٹ ولمحہ ایسا نہیں جس میں آپ کے صحیح حالات بیان کرنا جائز اور کار ثواب نہ ہو یہ سب امور محل نزاع سے خارج ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ اہل بدعت جس طرح دینی رنگ اور مذہبی درجہ دے کر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے اسراف سے جشن میلاد مناتے جھنڈیاں لگاتے، جلوس نکالتے اور

عورتوں، اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کراتے ہیں، اور جس کے لیے وہ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے اور ان کو دین اور کار ثواب ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، یہ کارروائی کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا حضرت ابن عباسؓ یا کسی دیگر صحابی سے؟ یا (معاذ اللہ) ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت نہ تھی، آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تو یہ کارروائی نہ کریں اور آج یہ مخترع کارروائی دیکھتے دیکھتے دین، کار ثواب اور اہل السنت والجماعت کا شعار قرار پائے صحیح اور صریح حوالہ سے اس کا ثبوت درکار ہے، اور انشاء اللہ تا قیامت اہل بدعت کی پوری جماعت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی، دیدہ باید بخلاف اس کے اس دن کے اہتمام کی بدعت اور لوگوں کو مجلس میلاد منعقد کرنے کی دعوت دینے کی اختراع ۶۰۴ھ میں موصل کے عمر بن دحیہ ابوالخطاب (المتوفی ۶۳۳) جیسے احمق متکبر، اور بے دین مولوی کے اکسانے پر مظفر الدین کوکری بن اربل (المتوفی ۶۳۰ھ) جیسے مسرف اور دینی امور میں نہایت بے پرواہ اور خود رائے بادشاہ کے حکم سے ایجاد ہوئی جیسا کہ امام احمد بن محمد بصری مالکیؒ علامہ ذہبیؒ اور مؤرخ ابن خلکانؒ وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور علماء ربانی نے اس کے بدعت ہونے کی تفصیل سے بحث کی ہے اور ہر مسلک اور ہر طبقہ کے علماء اور فقہاء نے اس کی پرزور تردید کی ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ نے (اپنے فتاوٰی ج ۱ ص ۳۱۲ میں) اور امام نصیر الدین الشافعیؒ نے (دیکھئے رشاد الاخیار ص ۴۰) اور حضرت مجدد الف ثانی الحنفیؒ نے (ملاحظہ ہو مکتوبات حصہ ۵ ص ۲۲) اور علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ موخر الذکر لکھتے ہیں کہ:۔

لوگوں کی ان بدعتوں اور نو ایجاد باتوں میں سے جن کو وہ عبادت اور کار ثواب سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائر اسلامیہ کے اظہار کا ذریعہ

قرار دیتے ہیں۔ ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہِ ربیع الاول میں منعقد کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت سے بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے (پھر آگے لکھتے ہیں) اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جب کہ اس میں قوالی اور سماع ہو لیکن اگر مجلس میلاد سماع سے پاک ہو اور صرف بہ نیت مولود اس میں کھانا تیار کیا گیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا جائے اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تب بھی وہ صرف نیت عقد مجلس میلاد کی وجہ سے بدعت ہے، اور دین کے اندر ایک جدید امر کا اضافہ ہے جو سلف صالحین کے عمل میں نہ تھا، حالانکہ اسلاف کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا ہی لازم ہے۔ (مدخل ج ۱ ص ۸۵ طبع مصر) اور اسی طرح دیگر علماء ملت اور فقہاء امت نے اس کے بدعت ہونے کا فیصلہ صادر کر کے حق بات واضح کر دی ہے۔

الغرض چھٹی صدی تک یہ بدعت کسی نے نہیں کی اور زیادہ تر اللہ تعالےٰ کے مقبول بندے اور صالحین خیر القرون اور ان کے قریب زمانوں میں ہی گزرے ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب کس دیدہ دلیری سے یہ کہتے ہیں کہ "میلاد منانا طریقہ صالحین ہے۔ اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے" اس سے بڑھ کر امور دین میں بے باکی اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو صرف بارہ ربیع الاول میں مجلس کے انعقاد و اہتمام کی بدعت تھی، رہی اس میں جلوس کی بدعت تو یہ کل کی پیداوار ہے اور ایک خاص مصلحت کے پیش نظر اس جلوس کا خصوصی اہتمام شروع کیا گیا ہے، اور میلاد کے جلوس کے بانی جناب حاجی الشیخ محمد عنایت اللہ قادری نومسلم جو پہلے ہندو تھے، ابھی تک لاہور میں بقید حیات ہیں ان پہ کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا، افسوس ہے کہ یہ ساری نو ایجاد کارروائی تو مستحسن اور محمود ہو گئی اور شکر گزاری کا ذریعہ قرار پائی، لیکن خیر القرون اور بعد کے سلف صالحین

کا عمل مستحسن اور محمود نہ رہا، اس کو کہتے ہیں الٹی گنگا جس کے موید اہل بدعت ہیں، سچ ہے کہ ؎

این چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے کیونکہ جمعہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرامؓ نے از خود متعین اور مقرر نہیں کیا اور نہ اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے بلکہ ان دونوں کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے جس کا اعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان فیض رساں سے کیا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا نرا باطل اور فاسد قیاس ہے پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ الآیۃ کے نزول کے دن کو کب صحابہ کرامؓ نے اس سال یا ہر سال اہتمام سے منایا اور لوگوں کو اجتماع کی دعوت دی اور کھانے تیار ہوئے اور اس کے لیے جھنڈیاں گوائیں اور جلوس نکالے اور قوم کی دولت اس اسراف میں بے دریغ صرف کی؟ اس کا ثبوت کہاں ہے؟ قرآن کریم کی تکمیل اور آپ کی ولادت باسعادت کی قلبی خوشی اور مسرت اس وقت بھی تھی اور بحمد اللہ تعالیٰ سنت کی پیروی کرنے والوں کو آج بھی ہے، لیکن نہ تو وہ جشن میلاد کی ان مصنوعی اور اختراعی قیود کو پسند کرتے ہیں اور نہ ان پر کوئی شرعی دلیل پاتے ہیں، یہ مولوی نعیم الدین صاحب کے جگر گردے کی ہمت ہے کہ بدعات اور مخترعات کو قرآن کریم کی بزعم خود تفسیر میں جگہ دے کر عوام الناس کو یہ مغالطہ دے رہے ہیں کہ یہ چیزیں بھی قرآن پاک سے ثابت ہیں، اور یہ اس کی تفسیر کا حصہ ہے اگر یہ بدعات قرآن کریم کی تفسیر ہوتی تو حضرات صحابہ کرامؓ اور چھٹی صدی تک کے فقہاءؒ محدثینؒ اور مورخین و مفسرین

کرامؓ سے یہ تفسیر کیوں اوجھل رہ گئی؟ جن کو دینی بصیرت میں یہ کمال حاصل تھا کہ وہ ریت کے ذرات میں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی اور سونا تلاش کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ بدعت کو ہدایت نصیب کرے آمین۔ اس مسئلہ کی قدرے زیادہ وضاحت ہم نے "راہ سنت" میں کر دی ہے، اربابِ ذوق اس کی طرف مراجعت فرمائیں، اس پر متعدد ثقہ اور مستند علماء کرام کی تصدیقات بھی موجود ہیں۔

ہشتم ص۱۸۱ و ۲۴۳: مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا، اس پر ایک شخص نے کہا کیا ہر سال فرض ہے، حضرت نے سکوت فرمایا سائل نے سوال کی تکرار کی تو ارشاد فرمایا کہ جو میں بیان نہ کروں اس کے درپے نہ ہو، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو فرض فرما دیں وہ فرض ہو جائے، نہ فرمائیں نہ ہو۔ انتہیٰ بلفظہٖ۔

تنقید مولوی نعیم الدین صاحب نے مسئلہ کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر باطل اور روحِ اسلام کے قطعی مخالف ہے، اوّلاً اس لیے کہ رسول اور نبی کے معنی ہے پیغام رساں اور خبر دینے والا کے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام کر دیا، رسول کا کام یہ ہے کہ وہ وحی پاکر لوگوں کے سامنے ان احکام کی حلت و حرمت پیش کرے اور ان کو احکام کی اطلاع دے کر خبردار کر دے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا صلہ یہ ہوگا، اور خلاف ورزی کرنے کا وبال دنیا و آخرت میں یوں بھگتنا پڑے گا۔ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس حکم کو چاہیں فرض کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں، ہاں غیر منصوص احکام میں جیسے مجتہد کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے، اس سے کہیں بڑھ کر وحی کے انتظار کے بعد رسول اور نبی کو اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کی مستند اور معتبر کتابوں میں سیر حاصل اور مدلل

بحث اس پر موجود ہے، فرق یہ ہے کہ اگر نبی اور رسول کے اجتہاد میں کہیں خطا واقع ہو جائے تو اللہ کی طرف سے ان کی اصلاح کر دی جاتی ہے، اور خطا پر ان کو برقرار نہیں رکھا جاتا بخلاف دیگر مجتہدین کے کہ چونکہ ان پر وحی کے نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے مدت العمر وہ خطا اور غلطی پہ قائم رہ سکتے ہیں۔ اجتہاد کو تفویض احکام کی مد میں سمجھنا خالص جہالت ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو احکام تفویض ہو چکے ہوتے تو آپ مسائل و نوازل میں وحی کے منتظر کیوں رہتے تھے؟ اور بعض مواقع پر سکوت فرما کر سائلین کو لوٹا کیوں دیتے تھے؟ اور لیا اوقات یہ کیوں فرماتے کہ مجھ پر اس امر کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں کیا گیا۔ مَا اُنْزِلَ عَلَیَّ الخ کتب حدیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص خانگی مصلحت کے پیش نظر صرف اپنی ذات مقدس کے لیے حلف اٹھا کر شہد حرام کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوئی۔

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ	اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے اس
مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ الآية	چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے حلال
(پ ۲۸، تحریم، رکوع ۱)	کی ہے۔

یہ یاد رہے کہ سورۂ تحریم قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ایک ہے جو مدینہ طیبہ میں نبوت کے آخری دور میں نازل ہوئی ہیں اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال و حرام کرنے کا اختیار مفوض ہوتا تو منجانب اللہ آپ کو تنبیہ کرنے کیا ضرورت تھی؟ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے شہد استعمال کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اسی سورت میں قسم کھولنے کا حکم بھی موجود ہے دیگر بے شمار نصوص کے علاوہ اس قطعی اور قرآنی حکم کی موجودگی

میں یہ بے بنیاد مسئلہ اور عقیدہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ احکام کی حلّت و حرمت آپکو مفوض تھی، جس چیز کو چاہتے آپ اپنی مرضی سے فرض فرماتے اور چاہتے تو فرض نہ کرتے، کون مسلمان اس باطل مسئلہ کو مانتا ہے؟ ثالثاً، متعدد صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں اپنا منصب بیان فرمایا ہے۔

(۱) چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی حضرت جویریہؓ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

وَاِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ بِنْتُ عَدُوِّ اللّٰہِ اَبَدًا (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ و مسلم ج ۲ ص ۲۹۰)	یعنی بلاشک میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا (اور نہ کر سکتا ہوں) لیکن بخدا رسول اللہ کی بیٹی (فاطمہؓ) اور دشمنِ خدا (ابوجہل) کی بیٹی دونوں کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔

جب یہ سنا تو حضرت علیؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے ملاحظہ کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح روشن الفاظ میں اپنا منصب بیان فرمایا کہ حلال و حرام کرنا تو میرا کام نہیں ہے ہاں اپنی پیاری بیٹی اور لختِ جگر کے خانگی حالات کو شرعی دائرہ میں ملحوظ رکھنے کا مجھے حق حاصل ہے جس کو میں استعمال کرتا ہوں:۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تھوم کھا کر مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا تو لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید تھوم حرام ہو چکا ہے، جب آپ کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے لوگوں سے یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ تَحْرِیْمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لِیْ	اے لوگو! جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے لیے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا

وَلٰكِنَّهَا شَجَرَةٌ اَكْرَهُ رِيْحَهَا الحديث (مسلم ج۱ ص۲۰۹)

کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن میں تو تھوم کی بُو کو پسند نہیں کرتا۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ:۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ وَاللّٰهِ مَا لِيْ اَنْ اُحَرِّمَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ رِيْحَهٗ الحديث (صحیح ابوعوانہ جلد ۱ ص۴۱۲)

اے لوگو! خدا کی قسم جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن میں تھوم کی بو کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

چونکہ مسجد میں بکثرت رحمت کے فرشتے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آیا کرتے تھے، اور فرشتوں کو تھوم اور پیاز وغیرہ کی بُو سے اذیت ہوتی ہے اس لیے آپ نے کچا تھوم کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا اور خود بھی آپ اس سے پرہیز کرتے تھے۔ اس حدیث میں آپ نے حلف اٹھا کر اپنا منصب بیان فرمایا ہے کہ حلال و حرام کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں آخری نماز مسجد نبوی میں باجماعت پڑھی، تو اس کے بعد:۔

جلس الى جنب الحجر يحذر الفتن قال اني والله لا يمسك الناس علىّ شيئًا الا اني لا احل الا ما احل الله في كتابه ولا احرم الا ما حرم الله عزّوجل في كتابه يا فاطمة بنت رسول الله يا صفية عمة

آپ حجروں کے پہلو میں بیٹھ گئے اور لوگوں کو فتنوں سے خبردار کرتے رہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بخدا میری طرف حلال و حرام کی نسبت نہ کی جائے خبردار میں نہیں حلال کرتا مگر صرف اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلہ میں حلال کیا ہے، اور نہیں حرام کرتا مگر صرف اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے

رسول اللّٰہ اعملا لما عند اللّٰہ فانی لا اغنی عنکما من اللّٰہ شیئاً۔

(مسند الشافعی ص۱ طبع مصر)

اپنے حکم میں حرام قرار دیا ہے۔ اے میری بیٹی فاطمہؓ اور اے میری پھوپھی صفیہؓ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ثواب حاصل کرنے کے لیے عمل کرتی رہو کیونکہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں چھڑا سکتا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مسجد نبوی میں نہ تو نماز پڑھی اور نہ صحابہ کرامؓ کو عمومی رنگ میں کوئی خطاب فرمایا اس آخری وصیت میں بھی آپ نے اپنی پوزیشن اور عہدہ صاف بیان فرما دیا ہے، اور وہ بھی قسم اٹھا کر تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے، اور امتِ مرحومہ کو فتنوں سے آگاہ کرنے کے سلسلے میں یہ ارشاد فرمایا ہے، صد افسوس ہے کہ جس قسم کے فتنوں سے آپ نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، انہی چیزوں کو مولوی نعیم الدین صاحب خیر سے دینی مسائل قرار دے رہے ہیں، اس سے بڑھ کر دین کی تحریف اور کیا ہو گی؟ اعاذنا اللّٰہ منہ ۔ فی کتابہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ مراد ہے جیسا کہ بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۰۸ کی ایک حدیث میں بکتاب اللہ کا جملہ موجود ہے، جس کا ایک معنیٰ شراح حدیث نے بقضائہ وحکمہ کیا ہے۔ اگر اس باب کی احادیث کو جمع کیا جائے تو بلاشبہ خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہمارا مقصد دلائل کا استیعاب نہیں بلکہ صرف اپنی بات کو مبرہن کرنا ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ صحیح اور صریح احادیث سے مدلل و مبرہن ہو چکی ہے۔ واقعتاً ضرورت تو نہیں کہ ہم قرآن و حدیث کے بعد کچھ اور حوالے ذکر کریں لیکن تکمیلِ بحث کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلّم علماءِ ملت اور مقتدار امت کے چند حوالے بھی عرض کر دیئے جائیں تاکہ بات روشن سے روشن تر ہو جائے۔

امام عبدالوہاب الشعرانیؒ مرجع الصوفیہ شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

ونحن نعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ (الیٰ ان قال) فانه صلی الله علیه وسلم مبلّغ عن الله احکامه فیما اراد الله تعالیٰ لا ینطق قط عن هوی نفسه ولا یبنی شیئاً ممّا امره بتبلیغه ان هو الا وحی یوحیٰ۔	ہم یقیناً جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ (پھر آگے فرمایا کہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے جن امور کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور اپنی طرف سے آپ کوئی بات نہیں فرماتے تھے اور نہ ان امور کو بھولتے تھے جن کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہوتا تھا آپ تو وحی کے مطابق ہی تکلّم فرماتے تھے۔
(الجواهر والیواقیت ج ۲ ص ۲۴ طبع مصر)	

علامہ ابو جعفر النحاس (المتوفی ۳۳۸ ھ) اپنی مشہور کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں لکھتے ہیں۔

وهکذا سبیل الاحکام انما تکون من قبل الله عزّوجلّ۔	اور احکام کا یہی طریق ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

حافظ ابن ہمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ ھ) اپنی مشہور اور دقیق کتاب التحریر میں لکھتے ہیں کہ:۔

الحاکم لا خلاف فی انه الله رب العلمین۔	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
(التحریر ص ۲۲۴ طبع مصر)	

اور مشہور اصولی علامہ محب اللہ الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۰۹ ھ) اپنی کتاب مسلّم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ:۔

لا حکم الا من الله (ص ۱۲)	حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

حافظ بدر الدین عینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فیہ ان التحلیل والتحریم من عند اللہ لا مدخل لبشر فیہ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۵ طبع مصر)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا حلال اور حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ کسی بشر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) حدیث ان ابراہیم حرم مکۃ الحدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

اسناد تحریم بہ ابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید و اعلام کرد حکم الٰہی زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آں احکام اند۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۱۲۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف حرام کرنے کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا اور اس کی خبر دی ہے کیونکہ شریعتوں اور احکام کا فیصلہ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا حکم قدیم ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس کے احکام کو پہنچانے والے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی بے نظیر اور شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ :-

وسر ذلک ان التحلیل والتحریم عبارۃ عن تکوین نافذ فی الملکوت ان الشیٔ الفلانی یؤاخذ بہ اولا یؤاخذ بہ فیکون ھذا التکوین سببا للمؤاخذۃ و ترکہا وھذا من صفات اللہ

اور اس کا راز یہ ہے کہ تحلیل و تحریم اس تکوین اور آئین کا نام ہے جو عالم ملکوت میں نافذ ہے کہ فلاں شے پر مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ پس یہی تکوین اور نفاذ امر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تحلیل و تحریم

تعالیٰ واما نسبة التحليل و التحريم الى النبي صلى الله عليه وسلم فمعنٰى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله و تحريمه واما نسبتها الى المجتهدين من امته فمعنٰى روايتهم ذٰلك عن الشرع من نص الشارع او استنباط معنٰى كلامه اهـ (جلد اول ص۴۹ طبع مصر)

کی نسبت تو اس معنی میں ہے کہ آپ کا قول اس امر کی قطعی نشانی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس چیز کو حلال یا حرام کیا ہے، اور ائمہ مجتہدین کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنی میں ہے کہ وہ اس کو نص شارع سے روایت کرتے ہیں یا کلام شارع سے استنباط کرتے ہیں۔

اس تفصیلی عبارت سے یہ بات آشکارا ہوگئی ہے کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالےٰ کی صفت ہے، اور نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں غیر کو شریک کرنا شرک ہے جو ناقابل معافی گناہ ہے، اور اس عبارت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف احکام کے حلت و حرمت کی نسبت اس معنیٰ میں نہیں کہ آپ حلال و حرام کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور احکام آپ کو مفوض ہیں بلکہ بایں معنیٰ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے حلت و حرمت کا قطعی حکم پاکر اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور ائمہ مجتہدینؒ کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنیٰ میں ہے کہ وہ نصِ شارع سے حلت و حرمت بیان کرتے ہیں یا کسی منصوص حکم سے اجتہاد و استنباط کرکے غیر منصوص کی کڑی منصوص سے ملا دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنی بہترین اور لاجواب کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مذہب صحیح آنست کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبر نمی باشد زیرا کہ منصب

صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت کی احکام سازی کا معاملہ پیغمبر کو مفوض نہیں اور پیغمبر کا منصب

پیغمبری منصب رسالت و ایلچی گریست نہ نیابت خدا و نہ شرکت در کارخانۂ خدائی آنچہ خدائے تعالےٰ حلال و حرام فرماید آنرا رسول تبلیغ میکند و بس از طرف خود اختیارے ندارد۔ (ص ۲۵۵)	ہوتا کیونکہ پیغمبری کا منصب اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے اور سفارت کے ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ کی نیابت کے اور نہ کارخانہ خداوندی میں شرکت کے جس چیز کو اللہ تعالیٰ حلال وحرام کر دیتا ہے اس چیز کی پیغمبر تبلیغ کرتا ہے، اور بس اپنی طرف سے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

بدیہی است کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست شارع حق تعالیٰ است (ص ۲۶۱)	بدیہی بات ہے کہ امام بلکہ نبی بھی شارع نہیں، شارع صرف حق تعالیٰ ہے۔

ان تمام درخشندہ عبارات سے یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی کہ کسی چیز کا فرض کرنا یا نہ کرنا، اور اسی طرح دیگر احکام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مفوض نہ تھے، آپ تو صرف رسول اور مبلّغ احکام خداوندی تھے، نہ کہ صفاتِ خداوندی میں اس کے نائب اور اس کی کائنات اور اس کے کارخانہ میں شریک و دخیل۔ تعالی اللہ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

لطیفہ:۔ یہ بات بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ ہم یہ بات بھی با حوالہ عرض کر دیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام کے مفوّض کرنے کا نظریہ اور عقیدہ کن لوگوں اور کس جماعت کی اختراع ہے؟ جملہ اہلِ حق اور اہل السنت والجماعت قرآن و حدیث کی صریح نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں یہ عقیدہ تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں کہ تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے بخلاف اس کے شیعہ، رافضی، اور دیگر بعض باطل فرقے یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تدبیر عالم کی تفویض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ کو ہو چکی ہے، چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ باطل فرقوں میں شیعہ کے المفوضہ فرقہ اور ان کے عقیدہ کا ذکر یوں

کرتے ہیں کہ:۔

المفوضة فهم القائلون ان الله فوض تدبير الخلق الى الائمة وان الله اقدر النبي صلى الله عليه وسلم على خلق العالم وتدبيره اھ

(غنیۃ الطالبین ص۲۲۱ طبع رفیق عام لاہور)

ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تدبیر ائمہ کو تفویض کر دی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کر دی ہے۔

اہل السنت والجماعت کے مشہور متکلم اور فلسفی علامہ سید شریف جرجانی الحنفی (المتوفی ۸۱۶ھ) علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب شرح مواقف میں لکھتے ہیں کہ:۔

المفوضة قالوا ان الله فوض خلق الدنيا الى محمد صلى الله عليه وسلم اى الله خلق محمدا وفوض اليه خلق الدنيا فهو الخلاق لها وبما فيها۔

(شرح مواقف ص۷۵۴ طبع نولکشور)

مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا، اور دنیا وما فیہا کی پیدائش آپ کو تفویض کر دی ہے اب دنیا وما فیہا میں جو کچھ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی پیدا کیا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا قارورہ کس جماعت سے جا ملا ہے، مفوضہ نے اللہ تعالیٰ کی خلق وتدبیر کی صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ کے لیے بعطاء خداوندی ثابت کی اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اللہ تعالیٰ کی تحلیل وتحریم کی تکوینی صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت کر کے اسلام کے ایک بنیادی عقیدہ پر کاری ضرب لگائی اور خالص شرکیہ عقیدہ کو قرآن کریم کی بزعم خود تفسیر میں داخل کر کے اور اس کو اسلامی مسئلہ گردان کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پر وہ ظلم کیا جس کی نظیر یہود سے ملنا بھی مشکل ہے

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ محرفین کی ایسی ہی تحریف سے اُکتا کر گویا قرآن کریم بزبانِ حال یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر

اِن واضح اور صریح عبارات کی روشنی میں مسلم شریف کی اس حدیث کا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے ا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر ہاں کہہ دیتا تو ہر سال تم پر حج فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے، رہا اتنی جلدی وحی کا نزول تو ایک ایسے ہی مقام پر امام طحاوی الحنفیؒ نے کہا ہے کہ اس کا منکر صرف وہی ہو سکتا ہے جو ملحد و زندیق ہو۔ (ملاحظہ ہو مشکل الآثار) اس کی زیادہ بحث دل کا سرور میں ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

۴۹ – ص ۱۸۵ لِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ | اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۹۷ صادق کو ثواب دینے پر بھی اور کاذب کو عذاب فرمانے پر بھی مسئلہ قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ واجبات و محالات سے تو معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر ممکن الوجود پر قادر ہے (جمل) مسئلہ کذب وغیرہ عیوب و قبائح اللہ سبحانہ تبارک و تعالیٰ کے لیے محال ہیں، ان کو تحتِ قدرت بتانا اور اس آیت سے سند لانا غلط و باطل ہے۔ انتہیٰ۔

تنقید یہ ٹھیک ہے کہ قدرت کا تعلق ممکن سے ہے نہ کہ واجب اور محال سے لیکن کافر و مشرک کی مغفرت اور بخشش (جس کا ذکر اس آیت کریمہ سے پہلے آ چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کو الٰہ اور معبود بنایا ہو گا، دربارِ خداوندی میں یوں ارشاد فرمائیں

گے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ہ اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا) وغیرہ پر بھی قدرت ممکن پر قدرت ہے نہ کہ واجب اور محال پر جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب اس عبارت میں الفاظ وغیرہ کا چکر دے کہ کذب وغیرہ عیوب و قبائح کا جملہ استعمال کر کے اپنے جماعتی تحزب اور گروہ بندی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں کیونکہ اگر مشرک کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہ ہوتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اگر تو ان کو بخش دے تو تو زبردست حکیم ہے، اور چونکہ خلفِ وعید امکان کذب اور امکان نظیر وغیرہ مسائل نہایت دقیق اور بے حد مشکل اور افہام و تفہیم اور دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل ہیں، اور عوام الناس اس کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں، اس لیے اہل بدعت چند دیگر مسائل کی طرح انکو بھی اہل حق کے خلاف عامۃ المسلمین کو نفرت دلانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اہل بدعت ان کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو معتزلہ خوارج مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے، اور اہل السنت والجماعت ان باطل فرقوں کے مسلک کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں جس کی نہایت ضروری تفصیل و تشریح یوں ہے کہ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ مومن اور مطیع و فرمانبردار کو اللہ تعالیٰ ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا لیکن یہ اجر و ثواب بحسب وعدہ محض اس کا فضل و احسان ہے۔ اس پر لازم اور واجب نہیں کہ وہ بے بس اور مجبور ہو جائے اور اس کا اختیار (معاذ اللہ) سلب ہو جائے، اور اسی طرح کافر و مشرک اور گنہگار وغیرہ کو وہ اپنے عدل و انصاف کے تحت سزا اور عذاب دے گا مگر وہ اس میں بھی معذور و مجبور نہیں کہ اس کے خلاف نہ کر سکے بالفاظ دیگر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے کلام میں جو کچھ فرمایا ہے اس کے خلاف وہ ہرگز ہرگز نہیں کرے گا، کیونکہ وہ سچا ہے اور اس کا کلام سچا ہے خود اسی کا فرمان ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں کون زیادہ سچا ہے؟ لیکن اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے تو اس کی بھی قدرت ہے، مثلاً اس کو قدرت ہے کہ وہ کسی نیک اور متقی آدمی کو بجائے جنت کے دوزخ میں ڈال دے اور اس پر بھی اس کو قدرت ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار حتیٰ کہ کافر و مشرک کو جنت میں داخل کر دے یقیناً وہ اپنے اختیار سے ایسا کر سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ کرے گا ہرگز نہیں کیونکہ اس کا وعدہ سچا ہے، اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا وہ وہی کچھ کرے گا جو خود فرما چکا ہے اور اس مسئلہ کو اہلِ حق خلف وعید اور امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ امکان کذب سے اصل کذب کا امکان نہیں بلکہ صورتِ کذب مراد ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۰) اور معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر لازم اور واجب ہے کہ وہ مومن اور مطیع کو اجر و ثواب دے اور مشرک و عاصی کو عذاب و سزا دے اس کے خلاف پر اسکو قدرت ہی نہیں کیونکہ اس کے خلاف پر اگر اس کی قدرت تسلیم کر لی گئی تو اس کے کلام میں کذب لازم آئے گا، اور کذب (چوری و زنا اور) دیگر جرائم کی طرح قبیح و محال ہے، اور وہ ممکنات سے نہیں بلکہ محالات سے ہے جو داخل تحت القدرت ہی نہیں اور یہی نظریہ بریلوی حضرات کا ہے جس پر ان کے متعدد بزرگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سبحان السبوح۔ تنزیہ الرحمٰن اور عجالۃ الراکب وغیرہ کتابیں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، اور یہ لوگ حقیقتِ کذب، امکان کذب اور صورت کذب میں جو دقیق فرق ہے، اس کو یا تو سمجھتے ہی نہیں اور یا چشم پوشی کر کے ان سب

کو خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیتے ہیں حالانکہ ایک ادنیٰ سمجھ والا آدمی بلکہ مبتدی طالب علم بھی لفظ کرنے، اور کر سکنے میں بخوبی فرق سمجھ سکتا ہے، اور کرتا ہے اور کر سکتا ہے ان میں اہل لسان کے نزدیک فرق بالکل نمایاں ہے، غور فرمایئے کہ صرف اس ایک جملہ سے کہ اللہ تعالیٰ اہل نار کو جنت میں داخل کرنے پر قادر ہی نہیں کس طرح اس کی غیر محدود قدرت اور طاقت پہ زد آتی ہے، اور اسی طرح اس جملہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو اہل جنت کو جنت نہ دینے کی قدرت نہیں کس طرح اس کے بے پناہ انعام واحسان اور مہربانی کا انکار لازم آتا ہے، اس کا انعام اور کمال تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ باوجود اس قدرت کے کہ وہ اہلِ جنت کو جنت نہ دے سکنے پر بھی قادر ہے پھر بھی ان کو جنت دیتا ہے، کیونکہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اور وہ جس کو چاہے اس سے نوازتا ہے بخلاف اہل حق کے کہ انہوں نے دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ اس غلط نظریہ کو ردّ کیا اور حق کو براہین سے مدلل کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم نے بھی اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ، المہند علی المفند اور الشہاب الثاقب وغیرہ کتب میں باحوالہ اس پر مختصر بحث موجود ہے۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے ایک مستقل کتاب جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل دو جلدوں میں اس مسئلہ پر تصنیف فرمائی ہے جو علماء حق کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہے اور اہل بدعت کے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے بھی اس میں خاصا مواد اور کافی ذخیرہ موجود ہے، بشرطیکہ وہ اس سے استفادہ کی اہلیت رکھتے ہوں اور ضد و تعصب کو بالائے طاق رکھ کر اس کو پڑھیں۔

چند دلائل اہل السنت والجماعت کے دلائل تو بے شمار ہیں مگر ہم صرف بطور نمونہ بعض کا یہاں ذکر کرتے ہیں تاکہ منصف مزاج حضرات

بات کو بخوبی سمجھ سکیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ط إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝

اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار، مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے

(پ ۱۵، بنی اسرائیل، ۱۰)

قرآن کریم کے قطعی اور صریح نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمائی، رسالت اور نبوت کا بلند مقام مرحمت فرمایا، بلکہ خاتم النبیین کے اعلیٰ ترین عہدہ اور منصب سے نوازا اور ساری مخلوق سے بڑی شان آپ کو دی نہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت اور وحی چھینی ہے اور نہ یہ مقام آپ سے چھینے گا۔ اور کسی مسلمان کو اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس بالا مضمون میں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ یہ مقام آپ سے چھیننا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے، اس کی قدرت سلب نہیں ہو گئی معتزلہ اور ان کے حاشیہ برداروں کے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کو سلب وحی پر کوئی قدرت نہیں (معاذ باللہ) کیونکہ جب وہ خبر دے چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تا قیامت (بلکہ قیامت میں بھی رہے گی) تو اس خبر کے خلاف پر قدرت تسلیم کرنے سے اس کے کلام میں کذب کا احتمال اور امکان پیدا ہوتا ہے جو نقص ہے اور نقص اس کے لیے محال ہے، اہل السنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ امکان ذاتی امتناع بالغیر کے منافی نہیں ہوتا جیسا کہ علامہ دوانیؒ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے

(ملاحظہ ہو شرح عقائد جلالی ص۴۳ وغیرہ) یعنی فی نفسہٖ تو سلبِ وحی ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے مگر چونکہ وہ یہ وعدہ فرما چکا اور خبر دے چکا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا اور آخرت میں نبی ہیں، لہٰذا اس خبر کی وجہ سے یہ سلبِ وحی ممتنع ہو گئی ہے! اور اسی کو کہتے ہیں ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر۔

(۲) اللہ تعالیٰ مشرکین کے ایک بے بنیاد سوال کا حاکمانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ج فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ ط وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہ	کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ، سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کر دے سچ کو اپنی باتوں سے اس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے۔

(پ ۲۵، الشوریٰ، ۲)

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر (معاذ اللہ) مہر لگا دے وحی اور نبوت بند بلکہ سلب کر لے اور بغیر تیری وساطت کے از خود ہی باطل کو مٹا دے اور حق کو ثابت کر دے تو ایسا کر سکتا ہے؟ لیکن نہ تو اس نے ایسا کیا ہے اور نہ کرے گا، گو قدرت اس کو حاصل ہے، اور وہ عاجز اور قاصر نہیں ہو گیا، اور اگر وَیَمْحُ اللّٰہُ الخ سے جملۂ مستانفہ مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین کرامؒ نے کہا ہے تب بھی ہمارا مدعیٰ ثابت ہے (کما لا یخفیٰ)

الغرض اہل السنت والجماعت کے نزدیک قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اپنی حقیقت پر ہے اور بغیر کسی تاویل کے صحیح ہے، اشکال تو معتزلہ اور اہل بدعت پر ہو گا کہ اگر حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر (عیاذاً باللہ) مہر

لگانے پر قدرت خداوندی تسلیم کرلی جائے تو اس کے کلام میں امکان کذب لازم آئے گا، اور اسی ایک منطقی مفروض کے تحت وہ خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت کو (معاذ اللہ) محدود اور دریا در کوزہ کرنے کے درپے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ایک مخصوص واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (پ۱۳، ابراہیم ۶)

اور جس وقت کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب کر دے اس شہر کو امن والا اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں بتوں کو، اے میرے پروردگار انہوں نے گمراہی میں ڈالا بہت لوگوں کو جس نے پیروی کی میری تو وہ میرا ہے، اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اِس مضمون میں دو فریقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک فریق خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسلی اور اعتقادی اولاد جو اہل توحید، مومن اور بت پرستی سے کوسوں دور ہیں اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السّلام کے مخالف، عاصی اور بُت پرست ہیں اور انہیں کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے پروردگار بے شک تو غفور رحیم ہے۔ اب سوال یہ ہے مشرک اور بُت پرست کی (جس کا خاتمہ کفر پر ہو چکا ہو) مغفرت کا کیا سوال؟ رب العزّت کا قطعی فیصلہ جب یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الآیۃ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، تو پھر مشرک کی بخشش کا کیا سوال؟۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مضمون میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو بھی بخشنا چاہے تو اس کو قدرت ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کرے گا وہی کچھ جو فرما چکا ہے کیونکہ اس سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے وہ مکالمہ جو قیامت کے دن اس کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوگا اپنی محکم کتاب میں نقل فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"اور جب اللہ کہے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے نیچے اور ورے دو الٰہ بنالو؟ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے پاک ہے تو مجھے کیا اختیار تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو بے شک تو اس کو جانتا ہے تو میرے جی کی باتیں جانتا ہے اور میں تیرے جی کی باتیں نہیں جانتا پس بے شک تو ہی غیبوں کو جاننے والا ہے، میں نے ان کو صرف وہی کچھ کہا ہے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود تھا، پس جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔"

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

اگر تو ان کو سزا دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بلاشک تو غالب حکمت والا ہے۔

(پ ۷، المائدہ ۱۶۰)

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہما السلام کو الٰہ بنا کر شرک کیا جن کی اس مشرکانہ کاروائی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اپنی ناراضگی اور براءت کا ذکر بھی فرما رہے ہیں بایں ہمہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو معاف کر دے اور ان کی مغفرت فرما دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مشرکوں کی مغفرت ہی نہیں اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا بیان قرآن کریم میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ :۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (پ ۶، المائدہ: ۱۰)

بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں ظالموں کی مدد کرنے والا۔

تو پھر مشرکوں کی مغفرت کا کیا سوال؟ اس ارشاد کا مطلب اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی بخشش اور مغفرت پر اللہ تعالیٰ قادر ہے، اگر وہ ان کو بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ العزیز ہے الخ مگر کرے گا وہی جو وہ فرما چکا ہے کہ مشرک کی بخشش نہ ہوگی اور اس کے خلاف وہ ہرگز ہرگز نہیں کرے گا۔

(۵) حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ :۔

لو ان اللہ عذب اھل سمٰوٰتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرًا لھم من اعمالھم (الیٰ ان قال) عبد اللہ بن فیروز

اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق کو عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر اپنی رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے

الدیلمی) ثم اتیت عبد اللہ بن مسعودؓ فقال مثل ذالك ثم اتیت حذیفة بن الیمانؓ فقال مثل ذالك قال ثم اتیت زید بن ثابت فحدثنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذالك (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۰ وموارد الظمآن ص ۴۵ الی نزلئه ابن حبانؒ)

بھی بہتر ہے (پھر آگے ہے) عبد اللہ بن فیروز دیلمیؒ فرماتے ہیں کہ یہی مضمون مجھ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حذیفہؓ بن یمانؓ نے بیان کیا پھر میں حضرت زیدؓ بن ثابت کے پاس گیا تو انہوں نے اسی مضمون کی حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھے سنائی۔

اور ابن ماجہ ص ۹ کی روایت میں ہے حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو ان اللہ عذب (الحدیث) یعنی یہ حدیث میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔

(۶) اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لو یؤاخذنی اللہ وابن مریم بما جنت ھاتان یعنی الابھام والتی تلیھا لعذبنا ثم لم یظلمنا شیئا (موارد الظمآن ص ۶۱۱ و ۶۱۲)

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی لغزش کے بدلے پکڑنا چاہے تو ہمیں سزا دے سکتا ہے، پھر بھی ہم پر اس کا کچھ ظلم نہ ہوگا۔

کیا کوئی مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ عذاب اور سزا دے گا؟ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عموم قدرت بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ہمیں بھی ایک معمولی لغزش (ابہام اور سبابہ کی خطا) پر عذاب و سزا دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس کو اس کی قدرت ہے، اور بایں ہمہ

وہ ظالم ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرفوع حدیث سے بھی یہ بات بالکل روشن ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ساری مخلوق کو عذاب اور سزا دینا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے اس سے کوئی پوچھ تک نہیں سکتا، اور اگر تمام مخلوق کو وہ اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تب بھی وہ اس پر قادر ہے۔

(۷) امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے بلکہ تمام جہاں اس کی ملک ہے، اور دنیا و آخرت میں اس کی بادشاہی ہے، ان میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، سو اگر وہ تمام اطاعت شعاروں اور نیکوں کو سزا دینا چاہے اور سب کو (معاذ اللہ) دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہوگا اور اگر ان کو عزت و نعمت عطا فرما کر جنت میں داخل کردے تو اس پر بھی اس کو قدرت ہے لیکن اس نے خبر دی ہے اور اس کی خبر بالکل سچی ہے کہ وہ ایسا کرے گا ہرگز نہیں بلکہ اپنی رحمت سے مؤمنین کی مغفرت فرما کر انہیں جنت میں داخل کرے گا، اور عدل و انصاف کے قاعدہ کے مطابق کافروں کو سزا دے گا اور انہیں ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا، یہ اہلسنت کا مذہب ہے رہے معتزلہ تو وہ احکام کو اپنی عقل سے ثابت کرتے ہیں اور اعمال پر ثواب دینے کو واجب قرار دیتے ہیں، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندوں کے لیے جو چیز مفید تر اور اصلح ہے وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اس کے خلاف کو وہ ممنوع ٹھہراتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی وہ بڑے طویل خبط کا شکار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے باطل نظریات اور خلاف نصوص اختراعات سے بلند و بالا ہے اھ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶)

(۸) امام تاج الدین السبکیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

ان الرب تعالیٰ لہ عندنا ان — بے شک ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کو

يعذب الطائعين ويثيب العاصين كل نعمة منه فضل و كل نقمة منه عدل لاحجر عليه فى ملكه ولا داعى له' فى فعله وعندهم يجب تعذيب العاصى واثابة المطيع ويمتنع العكس اھ (طبقات الشافعية الكبرىٰ ج ۲ ص۲۶۷ طبع مصر)	قدرت اور اختیار ہے کہ وہ اطاعت کرنے والوں کو عذاب دے اور نافرمانوں کو ثواب دے، ہر نعمت اس کا فضل اور ہر سزا اس کا عدل ہے، اس پر اس کی ملک میں کوئی پابندی نہیں اور نہ اس کے فعل کا کوئی داعی ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ عاصی کو سزا اور مطیع کو ثواب دے اور اس کا عکس ممتنع ہے۔

(۹) حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نہ تو طاعت پر ثواب واجب ہے اور نہ معصیت پر عقاب ضروری ہے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا تفضل اور احسان ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص۲۵ طبع مصر)

(۱۰) کتب عقائد میں بھی اس مسئلہ پر خاص بحث موجود ہے اور امکان کذب کے لفظ سے بحث اور اس کا داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہونا اہل السنۃ کا مسلک اور اس پر قدرت نہ ہونا معتزلہ کا مسلک ذیل کی کتابوں میں مصرح ہے۔

(المسامرۃ مع المسایرۃ ج ۲ ص۶۵

طبع مصر و شرح مواقف ص۹۷ طبع نولکشور وغیرہ) اور فتوح العقائد میں ہے کہ:۔

واما وعید کافر پس خلاف آں جائز است از جہت آنکہ خلاف محض فضل وکرم است و صوفیہ رضی اللہ عنہم نیز بر ہمیں اعتقاد	بہرحال کافر کو عذاب کی جو وعید سنائی گئی ہے اس کے خلاف کرنا جائز ہے اس لیے کہ اس وعید کے خلاف (راحت یا انعام وغیرہ) جو کچھ ہے وہ محض اس کا فضل وکرم ہے

ہستند اھ ص۳۱ — اور حضرات صوفیاء کرام کا بھی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو یہی اعتقاد ہے۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اپنے فاروقی جلال میں آکر نیک لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

واگر ہمہ را بدوزخ فرستاد و عذاب ابدی فرماید جائے اعتراض نیست۔ (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اوّل ص۱۲۰)

اگر وہ سب کو (معاذ اللہ) دوزخ میں بھیج دے اور اُن کو ہمیشہ کا عذاب دے تب بھی اس پر اعتراض کی کوئی مجال نہیں ہے۔

(۱۱) شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

نعم اختلاف در آں است کہ آیا جائز است عقلاً یا نہ؟ معتزلہ برآنند کہ جائز نیست زیرا کہ آں موجب تبعید و تنفیر است و نزد اصحاب ما کہ گروہ اہل سنت والجماعت اند ایں ہم جائز است کہ حق تعالیٰ یکے را از چاہ ضلالت برآورد و ہدایت رسانیدہ بمرتبۂ نبوت رسانید ولیکن دلیل سمعی برآنست کہ ایں جائز لوقوع نیامدہ اھ (مدارج النبوۃ ص —) (بحوالہ ہامش فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۱۸)

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عقلاً جائز ہے یا نہیں؟ معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہو تو یہ دور کرنے اور نفرت دلانے کا سبب ہوگا۔ (یعنی عموم قدرت کے جواز سے یہ آثار ہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور وعدہ پر معاذ اللہ کوئی اعتبار نہیں اور یہ حق سے دور ہونے اور تنفر کا ذریعہ ہے) اور ہمارے نزدیک جو اہل سنت والجماعت کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہی کے گڑھے سے نکال کر اور اسے ہدایت دے کر نبوت کے مرتبہ تک پہنچائے مگر سمعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ عقلاً یہ جائز

ہوتے ہوئے بھی کبھی وقوع میں نہیں آیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ایسا ہوا نہیں لیکن قدرت خداوندی اس کو شامل ہے۔

(۱۲) حضرت شیخ الہندؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

سب جانتے ہیں کہ ذات تعالیٰ شانہٗ سے افعال قبیحہ کے صدور کی نوبت نہیں آسکتی، لیکن افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ خرابی ہے تو اُن کے صدور میں ہے نفس مقدریت میں اصلاً کوئی خرابی لازم نہیں آتی اگر ہوتا ہے تو کمال قدرت ثابت ہوتا ہے، بلکہ امور مذکورہ کو قدرت سے خارج کرنے میں عموم قدرت علی الممکنات جو داخل کمال اور مسلمات اہل سنت میں سے ہے باطل ہو جائے گا، کتب عقائد میں قدرتہ تعالیٰ یعم سائر الممکنات اور کل ممکن مقدور موجود ہے الخ (جہد المقل ج ۱ ص ۱۴۱) اور یہ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہل سنت ہے البتہ بوجہ امتناع بالغیر ان کے تحقق وفعلیت صدور کی کبھی نوبت نہیں آسکتی جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قبائح تحت القدرۃ داخل ہو کر بوجہ حکمت۔ وعدل وتقدس ممتنع الوقوع ہیں یہ ہرگز نہیں کہ امور مذکورہ قدرت ہی سے خارج ہیں، ورنہ حضرات اشاعرہ خلاف عدل وحکمت کو کیوں مقدور باری فرماتے ہیں اھ (ص۱۴۱ و ۴۲)

(۱۳) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، سوال وجواب مندرج ذیل ہے:۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ موصوف بصفت کذب ہے یا نہیں؟ اور خدائے تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔

وہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہٗ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز مومن نہیں تعالیٰ اللہ عما یقول الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثل فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے وہ حکم قطعی ہے اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا مگر وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے عاجز نہیں ہوگیا قادر ہے اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کرے گا قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا سب کو مومن کردیتا مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا، اور یہ سب اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں وہ فاعل مختار فعال لما یرید ہے، یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے، چنانچہ بیضاوی نے تحت تفسیر قولہ تعالیٰ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ الآیۃ لکھا ہے کہ عدم غفران شرک کا مقتضیٰ وعید کا ہے ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں اور یہ ہے عبارت اس کی وعدم غفران الشرک مقتضیٰ الوعید فلا امتناع فیہ لذاتہ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ حصہ اول ص۱۸ طبع جید برقی پریس دہلی) الہ اسی جلد ص۲ میں اس مسئلہ کی مزید تحقیق انہول

سنے با دلائل ثبت فرمائی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے اس بحث میں قدرے تفصیل سے اس لیے کام لیا ہے کہ دیگر بعض مسائل کی طرح اس مسئلہ کی وجہ سے بھی اہل بدعت نے علماء دیوبند اور حق پرستوں کو کافی بے نقط سنائی ہیں اور بدمزہ سے بدمزہ تعبیر اختیار کرکے اس کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کو اہل حق سے متنفر کرنے کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے اور خود اس پر مطلقاً غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور مدح کس نظریہ سے بڑھتی ہے اور کس خیال سے معاذاللہ کم ہوتی ہے؟ اور کس عقیدے سے اس کی قدرت محدود بنتی ہے؟ دراصل معتزلہ کی منطقیانہ اور فلسفیانہ موشگافیوں اور نارسا عقل کی دسیسہ کاریوں کا سمجھنا ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے، بڑے بڑے علماء اور فضلاء بھی ان کے چکروں میں آ گئے ہیں الا من شاء اللہ دیگر بعض محققین علماء کی طرح (اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر مرحمت فرمائے) امام منطق وفلسفہ حضرت امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی متعدد کتابوں میں اہل اعتزال کے اس باطل نظریہ کا تجزیہ کرکے اہل حق کو خبردار کیا ہے اور خصوصاً اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں تو اس پر سیر حاصل بحث کی ہے ہم چند ضروری اقتباسات عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) اہل حق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے اور اس کو مخلوق کے پیدا نہ کرنے پر بھی اختیار تھا اور ہے اور اس نے مکلف مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد احکام کا پابند بنایا ہے، اگر وہ کسی حکم کا ان کو پابند اور مکلف نہ بناتا تو یہ بھی اس کی قدرت کے تحت ہے لیکن معتزلہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ مخلوق کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور مکلف مخلوق پر اپنی طرف سے احکام عائد کرنا بھی اس پر واجب ہے، اس کے خلاف کی اس کو قدرت ہی نہیں (معاذاللہ) اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ندعی انہ یجوز للہ تعالیٰ ان لا یخلق الخلق واذا خلق فلم یکن ذٰلک واجبا علیہ واذا خلقھم فلہ ان لا یکلفھم واذا کلفھم فلم یکن ذٰلک واجبا علیہ وقالت طائفۃ من المعتزلۃ یجب علیہ الخلق والتکلیف بعد الخلق اھ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۸۵ طبع قاھرہ)	ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز اور اس کے اختیار میں ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا نہ کرے اور جب اس نے پیدا کیا ہے تو یہ اس پر واجب نہیں اور پیدا کرنے کے بعد ان کو مکلف نہ کرنا بھی اس کے بس میں ہے، اور جب ان کو مکلف بنایا ہے تو یہ بھی اس پر واجب نہیں اور معتزلہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنا اور خلق کے بعد ان کو مکلف بنانا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

غور کیجئے کہ (معاذ اللہ) کس طرح اس فرقہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی کا انکار کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بے بس اور مجبور کر رکھا ہے، وجوب کے بعد بھلا اختیار اور قدرت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اختیار تو جبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے۔ جائز کا لفظ یہاں اختیار کے لیے استعمال ہوا ہے کہ فقہی معنی میں۔

② اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور اس نے تکلیف مالا یطاق کا بوجھ کسی پر نہیں ڈالا لیکن اگر وہ کسی پر مالا یطاق تکلیف ڈالنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے گو وہ ایسا کرتا نہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ (معاذ اللہ)

امام غزالیؒ کی عبارت سنیئے۔

ان للہ تعالیٰ ان یکلف العباد مایطیقونہ ومالا یطیقونہ	(ہمارے نزدیک) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ بندوں پر ایسی تکلیف ڈالے جس

وذهبت المعتزلة الى انكار ذٰلك اھ (ص۸۱)	کی وہ طاقت رکھتے ہیں، اور ایسے احکام کا مکلف بھی وہ ان کو بنا سکتا ہے جن کی ان کو طاقت نہیں مگر معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

اس نظریہ میں معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت کو ایک گونہ مقید کر دیا ہے۔

③ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر رتی بھر ظلم نہیں کرتا اور نہ کرے گا لیکن اگر وہ کسی ذی روح کو جرم کئے بغیر سزا دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور وہ مکلف اور مطیع بندوں کو ثواب دے گا کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا ہے، اور وہ ہرگز ہرگز اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن اس پر واجب نہیں کہ وہ مجبور ہو جائے اور اس پر اہل حق کے نزدیک یہ لازم نہیں کہ وہ ضرور قیامت برپا کرے، وہ قیامت قائم کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قادر ہے اگر وہ اپنے وعدہ کے مطابق قیامت ضرور قائم کرے گا لیکن وہ مجبور نہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ کسی ذی روح کو جرم کیے بغیر سزا نہیں دے سکتا اور اس پر ثواب واجب ہے اور قیامت برپا کرنا اور تمام جاندار مخلوق کو ان کے افعال کا صلہ دینا اس کے لیے ضروری ہے، اس کے خلاف اس کو کوئی اختیار نہیں (معاذ اللہ)

حوالہ ملاحظہ ہو:۔

ندعی ان اللہ تعالیٰ قادر علی ایلام الحیوان البریٔ عن الجنایات ولا یلزم علیہ ثواب وقالت المعتزلة ان ذٰلك محال لانه قبیح ولذٰلك لزمهم المصیر الی ان کل بقة وبرغوث اوذی بعرك اوصدمة	ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ جرائم کئے بغیر جاندار مخلوق کو بھی تکلیف اور سزا دینے پر قادر ہے اور اس پر ثواب لازم نہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ محال ہے اس لیے کہ وہ قبیح ہے اور اسی لیے وہ اس قول پر مجبور ہوئے ہیں کہ ہر مچھر اور پسو اور جسکو خراش اور حادثہ پیش آئے ایسے جانور کو قیامت

فان اللہ عزوجل یجب علیہ ان یحشرہ ویثیبہ علیہ بثواب اھ د ص ۹۳

کے دن محاسبہ کے لیے دوبارہ کھڑا کرنا اور بدلہ دینا اللہ تعالیٰ پر لازم اور واجب ہے۔

ملاحظہ کیجئے کہ اس قادر مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ذات کو کس طرح معاذ اللہ مجبور تصور کر لیا گیا ہے، اور انسان و جن تو الگ رہے مچھر اور پسّو کا میدان محشر میں دوبارہ زندہ کرنا اور پھر ان کو مناسب بدلہ دینا بھی اس پر واجب قرار دے دیا گیا ہے، تمام مخلوق کے حشر کا نظریہ تو اہل السنت والجماعت کا بھی ہے لیکن یہ حشر واجب نہیں کیونکہ وجوب میں اختیار باقی نہیں رہتا اور رب العزت قادر اور مختار ہے۔

(۴) اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی مہربان اور رحیم ہے اس کو اپنی مخلوق سے وہ شفقت ہے جو ماں کو اولاد سے نہیں ہو سکتی اور وہ جو کچھ ان کے لیے اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق سمجھتی ہے کرتی ہے لیکن وہ اس پر مجبور نہیں کہ وہ اصلح اور مفید تر چیزوں ہی ان کے لیے کرے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اس پر اصلح للعباد واجب ہے، اور وہ اس پر مجبور ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا تو یا تو اس کی جہالت لازم آئے گی اور یا بخل (معاذ اللہ)

نعی انہ لا یجب علیہ رعایۃ الاصلح لعبادہ بل لہ ان یفعل مایشاء ویحکم مایرید خلافاً للمعتزلۃ فانھم حجروا علی اللہ تعالیٰ فی افعالہ واوجبوا علیہ الاصلح اھ (ص ۹۳)

ہم یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے لیے مفید تر اشیاء کی رعایت اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے معتزلہ اس کا خلاف کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں بے بس ہے اور وہ اس پر اصلح للعباد واجب قرار دیتے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ اس غلط قاعدہ نے انہیں کہاں سے کہاں جا پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال وارادہ اور مشیت میں بھی اصلح للعباد کے خلاف پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور وہ مجبور محض ہے۔ (معاذ اللہ) اور تعجب ہے کہ وہ اپنی عقل نارسا کے ان غلط نتائج پر نادم اور پریشان ہونے کے بجائے اُلٹے فرحاں و شاداں ہیں۔

⑤ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گو اپنے وعدہ کے مطابق اپنے مکلف بندوں کو ثواب دیگا۔ لیکن یہ اس پر واجب نہیں اگر چاہے تو ان کو سزا بھی دے سکتا ہے، اور اگر چاہے تو ان کو سرے سے معدوم ہی کر دے اور دوبارہ جزا و سزا کے لیے انہیں زندہ ہی نہ کرے، اور اگر وہ تمام کفار کو بخش دے تو وہ اس پر قادر ہے اور اگر وہ سب مومنوں کو سزا دے تو اس پر بھی اُسے قدرت ہے اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا، مگر معتزلہ ان میں سے کسی امر کو تسلیم نہیں کرتے اور سب امور کو اللہ تعالیٰ پر واجب ٹھہراتے ہیں:۔

ندعی ان اللہ تعالیٰ اذا کلف العباد فاطاعوہ لم یجب علیہ الثواب بل ان شاء اثابھم و ان شاء عاقبھم وان شاء اعدمھم ولم یحشرھم۔ ولا یبالی لو غفر لجمیع الکافرین وعاقب جمیع المؤمنین ولا یستحیل ذالک فی نفسہ اھ (ص ۸۴)	ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے اور انہوں نے اس کی اطاعت کی ہے تو اس پر ان کا ثواب واجب نہیں بلکہ اگر وہ چاہے تو ان کو ثواب دے اور چاہے تو عقاب دے اور چاہے تو ان کو بالکل معدوم کر دے اور دوبارہ زندہ ہی نہ کرے۔ اور اگر وہ تمام کفار کو بخش دے تو اُسے کوئی پروا نہیں اور اگر تمام مومنوں کو سزا دے تو اُسے اس کی بھی کوئی

پرواہ نہیں اور نہ اس میں کوئی استحالہ
لازم آتا ہے۔

اس کے بعد امام موصوفؒ نے معتزلہ کے وجوب کے عقیدہ کو خوب رد کیا ہے اور اس کی دھجیاں فضاء آسمانی میں بکھیری ہیں اور اپنا مسلک محقق کیا ہے، فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

(۶) اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مخلوق کی ہدایت اور اصلاح کی خاطر حضرات انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا ہے اور بعثت انبیاء اس کی مرضی اور اختیار سے ہے، اور وہ اس میں بے بس اور مجبور نہیں لیکن معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ اس پر واجب ہے،

ندعی ان بعثة الانبیاء جائزة ولیس بمحال ولا واجب وقالت المعتزلة انه واجب اھ (ص۸۸)	ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بعثت انبیاءؑ علیہم السّلام جائز ہے نہ محال ہے اور نہ واجب اور معتزلہ کہتے ہیں کہ واجب ہے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

انه لا یجب علی اللہ شیئ من رعایة الاصلح للعباد وغیرها خلافا للمعتزلة الخ۔	بلاشک اللہ تعالیٰ پر بندوں کے حق میں مفید تر شئے کی رعایت وغیرہ کوئی چیز واجب نہیں بخلاف معتزلہ کے۔

(شرح فقہ اکبر ص۱۲۷ طبع کانپور)

کہاں تک ان لوگوں کے بے بنیاد عقائد اور نظریات نقل کئے جائیں جس کا جی چاہتا ہے وہ کتب عقائد و اصول کی طرف مراجعت کرے، بشرط فہم و اہلیت۔

سمجھدار حضرات کے لیے یہ حوالے بالکل کافی ہیں اور وہ معتزلہ اور اہل بدعت کے بظاہر خوشنما اور درحقیقت مہلک اور فاسد نظریہ کو بخوبی سمجھ سکتے

ہیں کہ خلف وعید اور امکان کذب پر قدرت کے انکار سے کیا کیا مفاسد پیش آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع تر قدرت محدود ہو جاتی ہے اور اس کا فاعل مختار اور اپنی مرضی اور مشیت سے کام کرنے کا اسلامی اور بنیادی عقیدہ محال و نقص اور قبیح کے لفظوں کے چکر میں منطقیانہ نظریہ کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے (معاذ اللہ) برعکس اس کے جو مسلک اہل السنت والجماعت کا ہے، اس میں نہ تو کوئی نقص لازم آتا ہے اور نہ اس کی قدرت اور اختیار کا دائرہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے بلکہ اس کی عزت و عظمت اور کمال کا پہلو اسی صورت میں نمایاں ہوتا ہے کہ وہ قادر تو ہے مگر کرتا نہیں اور باوجود قدرت اور طاقت کے اپنے وعدہ کے مطابق اسے کسی چیز کے نہ کرنے سے اس کی کمالِ شان واضح اور وعدہ پورا ہوتا ہے، اور یہی عقیدہ حق ہے۔

دہم - ص ۱۹۴ میں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا معنیٰ مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ:-

اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں، اس میں خان صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کے اثبات کے لیے لفظ "آپ" ترجمہ میں بزور و داخل کیا ہے لفظ اَعْلَمُ واحد متکلم کا صیغہ ہے اور عربی زبان میں یہ صیغہ جہاں بھی پایا جائے گا مثبت میں اس کا معنیٰ ہوگا میں جانتا ہوں یا جانوں گا اور لَا اَعْلَمُ کا معنیٰ ہوگا میں نہیں جانتا یا نہیں جانوں گا۔ اس میں لفظ آپ اس کے معنی میں کسی طرح شامل نہیں ہے چونکہ خان صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا۔ اس لیے عطائی کے لفظ میں انہوں نے قرآن کی بے شمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا چھوڑا ہے اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اس چور دروازہ سے یوں فائدہ اٹھایا ہے کہ وہ

لکھتے ہیں کہ نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے الخ اور پھر آگے لکھتے ہیں:۔
فائدہ:۔ اس سے صاف واضح ہوگیا کہ اس آیت کریمہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب پر مطلع کئے جانے کی نفی کے لیے سند بنانا ایسا ہی بے محل ہے جیسا کہ کفار کا ان سوالات کو انکار نبوت کی دستاویز بنانا بے محل تھا علاوہ بریں اس آیت سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم عطائی کی نفی کسی طرح مراد ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس صورت میں تعارض بین الآیات کا قائل ہونا پڑے گا وھو باطل مفسرین کا یہ بھی قول ہے کہ حضور کا لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ آنیۃ فرمانا بطور تواضع ہے۔ (خازن ومدارک وجمل وغیرہ) (حاشیہ ص۱۹۴)

تنقید جس ذات اور ہستی کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کے بارے میں یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہوگیا کہ اس کا علم یا کوئی اور صفت ذاتی ہو سکتی ہے جس کی نفی کی ضرورت پیش آئے، جب موصوف کا وجود عطائی ہے تو اس کی صفت بھی عطائی ہی ہوگی۔ غور کیجیے کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ میں ذاتی طور پر محمد اور رسول نہیں ہوں بلکہ عطائی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عطائی رسول ہوں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ فرق بیّن علاوہ بریں دیگر دلائل کو چھوڑیئے قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا علم اللہ تعالٰی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہی نہیں کیا تو اور کہاں سے عطا ہوگا یا ہو سکتا ہے؟

(۱) اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:۔
وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ (پ ۲۳ یٰسین، ۴)

اور ہم نے اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر نہیں سکھایا اور یہ ان کے لائق بھی نہیں یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف اور روشن۔

چونکہ عموماً شعر و شاعری کا کمال جھوٹ و مبالغہ، خیالی پرواز فرضی نکتہ آفرینی اور نرے تخیلات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نص قطعی میں بیان کر دیا ہے کہ نہ تو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ خیالی تک بندیاں اور نری طبع آزمائی آپ کی اعلیٰ وارفع شان کے لائق ہے دیگر زبانوں کے علاوہ صرف ادب عربی کے دواوین اور دفاتر ہی اٹھا کر دیکھ لیجئے تو اندازہ ہو جائے گا کہ شعر و شاعری کا کاروبار کتنا پھیلا ہوا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فن کی تعلیم ہی نہیں دی کیونکہ یہ آپ کی شان کے لائق ہی نہیں اور یہ کھلی بات ہے کہ جو چیز پہلے دن شانِ نبوت کے لائق نہیں وہ نبی اور رسول کی زندگی کے آخری لمحات میں بھی مناسبت نہیں، اور نص قطعی کے بعد کوئی آیت اور کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں بتائی جا سکتی کہ آپ کو اس کے بعد کسی وقت علم شعر عطا کر دیا گیا تھا، رہا رجز کو شعر قرار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شعر و شاعری کا اثبات کرنا تو یہ نری جہالت ہے، اسی طرح شعر سے ملکۂ شعر یا وہمی اور منطقی شعر مراد لے کر یہ بہانا کرنا کہ نفی اس کی ہے محض طفل تسلی ہے، آخر کچھ تو ہے جس کے علم کی نفی ہے اور ظاہر ہے کہ اس عالم آب و گل میں اگر ایک فرد کی نفی بھی ثابت ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی ثابت نہ ہوا وھو المطلوب اس کی بالا مزید علمیہ بحث "ازالۃ الریب" میں ملاحظہ کریں۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جو شگوفے کھلائے ہیں ان کو دیکھ کر ان کی دیانت اور علم پر سخت افسوس ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-

معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا یا یہ کہ قرآن تعلیم شعر نہیں ہے اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے خواہ موزون ہو یا غیر موزون اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اولین و آخرین

تعلیم فرمائے گئے جن سے کشف حقائق ہوتا ہے، اور آپ کے معلوم واقعی ونفس الامری میں کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے اس میں شعر بمعنی کلام موزون کے جاننے اور اس کے صحیح وسقیم جید وردی کو پہچاننے کی نفی نہیں، علم نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں طعن کرنے والوں کے لیے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کو علوم کائنات عطا فرمائے، اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے الخ (ص ۴۴۹ و ۸۸)

تنقید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جتنا بھی لفظوں کا چکر دیا ہے سب بے سود ہے، اوّلاً اس لئے لغت، شرع اور عرف میں جس چیز پر لفظ شعر کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو، اس آیت سے اس کی نفی قطعی طور پر ثابت ہے، اس سے مکر کی نفی کرنا اور کلام موزون اور شعر صحیح وسقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے نعوذ باللہ منہ وثانیاً وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ میں تو نفی ہے، اس سے علم اوّلین وآخرین کی تعلیم کے اشارہ کا وجود خدا معلوم کیسا ہے؟ قرآن کریم کا یہ قطعی مضمون تو یہ بتلا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کو اوّلین وآخرین کے علوم کی تعلیم فرمائی گئی، نہ معلوم اس سے یہ اشارہ کیسے ثابت ہوا؟ وثالثاً یہ کس آیت اور خبر متواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر (کہ ایک ذرہ اور ایک فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو) علوم کائنات عطا فرمائے گئے تھے تاکہ یہ آیت کریمہ اس سے متعارض ہو اور اس کو اس کے مقابلہ میں سند لانا صحیح نہ ہو اور اس کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا محض غلط ہو، قرآن وحدیث میں تو کوئی ایک حوالہ بھی صریح اس پر موجود نہیں ہے،

ہاں فی الجملہ علوم اوّلین و آخرین کا آپ کو عطا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے مگر وہ بعض ہیں کل نہیں تاکہ مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی پارٹی کو یہ مفید ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لیے بعض علوم غیبیہ کا عطا ہونا مسلّم حقیقت ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں ہے ورنہ آپ کا کیا مکر اور کلام کاذب اور غیر نفس الامری باتیں اس جہان میں واقع نہیں ہوئیں اور آخر ان کی نفی بھی تو غیب کلی کے منافی ہے پھر غیب کلی کا دعوےٰ کیونکر صحیح ہوا؟ اللہ تعالیٰ اہل بدعت کو علم و دیانت اور خدا خوفی عطا فرمائے تاکہ آخرت کی فکر بھی کر سکیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔ (پ ۶۔ النساء۔ ۲۳)

اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات کا علم نہیں عطا کیا حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اور رسولوں میں ایسے بھی ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور وہ ان سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ کو بتائے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص۸۹)

اور علامہ محمد بن علی الخازنؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ای لم نسمّهم لک ولم نعرّفک اخبارهم (تفسیر خازن جلد ۱ ص۱۹)

ہم نے آپ کو ان کے نام اور حالات کی اطلاع نہیں دی ہے۔

اور بالکل یہی الفاظ حضرت امام رازیؒ کے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۳۰) اور علامہ خطیب شربینیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

اور رسولوں میں ایسے بھی ہیں کہ ہم نے آپ کو ان کے نام نہیں بتائے ہیں، اور نہ ان کی امتوں کے نام اور حالات بتاتے ہیں اگرچہ ہم کو پورا علم اور کامل قدرت ہے (تفسیر السراج المنیر جلد ۳ ص ۴۹۹) ۔ اور امام عقائد علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

کتاب اللہ کا ظاہری مفہوم اس پر دلالت کرتا ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں پیش کئے گئے (شرح عقائد ص ۱۰۲)

حضرت ابوہریرہؓ جو سنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں روایت کرتے ہیں کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ادری تُبّعٌ انبیاً کان ام لا وما ادری ذا القرنین انبیاً کان ام لا وما ادری الحدود کفارات لاھلھا ام لا ۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۳۶ وجلد ۲ ص ۴۵۰ قال الحاکم والذھبی صحیح علی شرطھما)	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں اور نیز میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ مجرموں پر جو تعزیرات اور حدود قائم کیے جاتے ہیں وہ اُن کے لیے کفارہ ہو جائیں گے یا نہیں ۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض امور کا علم عطا نہیں فرمایا اور خود آپ نے بعض امور کے علم کی اپنی ذات سے نفی کر دی ہے تو اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ؟

غرضیکہ لَا اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ الآیۃ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کی نفی قطعاً اور یقیناً ثابت ہے، اور اس آیت سے نفی

علمِ غیب پر سند لانا منصوص اور باطل ہے اور علمِ غیب عطائی ہی کی نفی مراد اور متعین ہے اس میں رتی برابر شک اور شبہ نہیں اور اس نفی کا قرآن کریم کی کسی آیت سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا، یہ محض مولوی نعیم الدین صاحب کی اختراع اور ایجاد ہے کہ اُن کو تعارض نظر آ رہا ہے۔ رہا تواضع کا مسئلہ تو بے شک بعض مفسرین کرام نے لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ الآیۃ کو تواضع پر حمل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے چنانچہ علامہ آلوسی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کو تواضع اور اظہار عبودیت پر حمل کیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ بل ھو لیس بشئ کما لا یخفیٰ۔ (روح المعانی جلد ۷ ص۱۳۵) یہ تو بالکل ہیچ اور لا یعبأ بہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص۷۰۰ میں) لکھتے ہیں کہ لا نسلم انہ فی معرض التواضع ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع پر محمول ہے۔

علاوہ ازیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علمِ غیب تو حاصل تھا لیکن آپ نے تواضع کے طور پر یہ فرمایا کہ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ میں غیب نہیں جانتا تو کیا دیدہ دانستہ خلافِ واقعہ بات کہنا جھوٹ ہے (معاذ اللہ) یا تواضع؟ یہ نہایت کمزور اور رکیک توجیہ ہے یہی وجہ ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب خود بھی اس پر مطمئن نہیں ہیں اور محض دفع الوقتی کے طور پر اس کو آخر میں پیش کرتے ہیں، تواضع کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کا صحیح مفہوم اس مقام پر یہ ہے کہ آپ نے باوجود اتنے بلند مقام کے کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہر مرد و زن، پیر و جواں، عالم و جاہل حتیٰ کہ ہر کہ و مہ کے سامنے بلا کسی لپیٹ یہ فرما دیا ہے کہ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ میں غیب نہیں جانتا یعنی آپ کا بلند مقام اور اعلیٰ شان آپ کے منصب کے بیان کرنے سے مانع نہیں ہوئی اور یہی تواضع ہے یا دوم۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ الآیۃ اور کچھ مدینہ والے اُن کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں (ترجمہ از مولوی احمد رضا خاں صاحب ا ص ۲۹۲ و ۲۳۲ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہو وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انہیں عذاب کریں گے یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق ہے، اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا جیسا کہ دوسری آیات میں فرمایا وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (حیل) کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کے لیے قیام کر کے نام بنام فرمایا نکل اے فلاں تو منافق ہے نکل اے فلاں تو منافق ہے تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطا فرمایا گیا۔ انتہی بلفظہ۔

تنقید: "معلوم ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہو" یہ کس لفظ کا معنی اور تفسیر ہے اور انہیں معلوم ہو سے کون مراد ہے؟ الفاظ تو بالکل واضح ہیں کہ مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کے لیے خوگر ہیں جن کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں جانتے ہم ہی جانتے ہیں جو اپنے مفہوم میں بالکل قطعی الدلالۃ ہیں، اس میں کوئی احتمال پیدا ہی نہیں ہوتا، البتہ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا الخ تو یہ محض نص قطعی کے رد کرنے کا ایک بے سود اور مردود بہانہ ہے کیونکہ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ سورۃ محمدؐ کا حصہ ہے، اور یہ سورت پہلے نازل ہوئی ہے اور وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الآیۃ سورۂ توبہ کی ایک آیت کا حصہ ہے جو قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے چنانچہ بخاری (جلد ۲ ص ۶۲۶) اور مسلم (جلد ۲ ص ۳۵) میں حضرت براءؓ بن عازبؓ سے اور مستدرک (ج ۲ ص ۲۲۱)

میں حضرت عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے آخر سورۃ نزلت سورۃ التوبۃ۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ توبہ ہے۔ اس کی صرف وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ۔ الآیتین۔ دو آیتیں مکی ہیں (تفسیر اتقان جلد ا ط۲)

مولوی نعیم الدین صاحب کے علم و دیانت پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ بعد میں نازل ہونے والی سورت کے ایک حصہ کو پہلے نازل ہونے والی سورت کے ایک فرمان سے منسوخ قرار دیتے ہیں، کتب اصول میں تو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ منسوخ پہلے اور ناسخ بعد کو نازل ہوتا ہے، مگر مولوی نعیم صاحب کے نزدیک ناسخ پہلے اور منسوخ بعد کو نازل ہوتا ہے ؏

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ لَا تَعْلَمُهُمْ میں علم کی نفی ہے اور وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ سے علم کا اثبات مراد نہیں بلکہ محض علامت اور نشانی کے طور پر تجربہ کی بنا پر چہرے بشرے سے اندازہ لگانا ہے اور یہ علم نہیں جو قطعی ہوتا ہے بلکہ تفرس اور قیافہ کے ذریعہ معلوم کرنا ہے جو ظنی ہے اور وہ بھی صرف ان منافقین سے متعلق ہے جن کو بغور دیکھا گیا ہو نہ کہ سب سے متعلق، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

لان ھذا من باب التوسم فیھم بصمات یعرفون بھا لا انہ یعرف جمیع من عندہ من اھل النفاق والریب۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۴)	کیونکہ یہ تو ان علامات سے پہچاننا مراد ہے جو ان کے چہرے پر رونما ہوں جن سے وہ پہچانے جا سکتے ہوں یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافقوں اور مشکوک لوگوں کو علی الیقین جانتے تھے

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی لکھتے ہیں کہ :-

بل قد تکون بغیرھا ایضا"	بلکہ یہ علامت کسی طرح سے ہو سکتی ہے

مِمَّا یعرفهم به النبیّ صلی اللہ علیه وسلم کما یعرف القائف حال الشخص بعلامات تدل علیه اھ (روح المعانی ج ۲۶ ص)	جن سے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقوں کو پہچان لیتے تھے جیساکہ قیافہ دان کسی شخص کے ظاہری علامات اور حالات کو دیکھ کر اس کا حال جان لیتا ہے۔

الحاصل وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ الآیۃ سے لَا تَعْلَمُهُمْ کو منسوخ قرار دینا سراسر باطل اور مردود ہے، کیونکہ لَا تَعْلَمُهُمْ میں نفی علم کی ہے، اور یہ بعد کو نازل ہوئی۔ اور فَلَعَرَفْتَهُمْ میں بعض منافقین کے قیافہ اور ظاہری قرائن سے شناخت کا ذکر ہے، اور نزول میں یہ پہلے ہے، اس کا محل اور ہے اور اس کا اور ہے، قرآن کریم کا یہ قطعی اور صریح ارشاد بھی ملاحظہ کریں اور مولوی نعیم الدین صاحب کی یہ ہوائی تحریر بھی دیکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحرم الٰہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں (ص ۲۳ و ۲۵۹) قرآن پاک تو مدینہ کے بعض منافقین کے نفاق کے علم کی حضور سے نفی کرتا ہے، اور مولوی صاحب ہر شخص کے ایمان و نفاق کا علم ثابت کرتے ہیں۔ رہا کلبی اور سدی کی روایت سے آیت کو منسوخ ٹھہرانا تو یہ بہت بڑی جرأت اور ہمت کی بات ہے کلبی کا نام محمد بن السائب بن بشر ابو النضر ہے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ لیس بشئ ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ اور ابن مهدیؒ نے اس کی روایت بالکل ترک کر دی تھی ابو جزءؒ اور یزید بن زریعؒ فرماتے ہیں کہ کلبی کافر ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ غلطی سے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علیؓ پر وحی نازل کر گئے تھے (معاذ اللہ) امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں۔ امام علیؒ بن الجنیدؒ، ابو احمد الحاکمؒ اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور ساقط الاعتبار ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ

اس کی روایات میں جھوٹ بالکل ظاہر ہے، ساجیؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث نہایت کمزور اور غالی شیعہ ہے، امام ابو عبداللہ الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ ابو صالحؒ سے اس نے جھوٹی روایتیں بیان کی ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تمام ثقہ اہل نقل اس کی مذمت پر متفق ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ احکام اور فروع میں اس کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہے (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۷۸ تا ص ۱۸۱) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کلبی کی تفسیر اول سے آخر تک سب جھوٹ ہے اس کا پڑھنا جائز نہیں (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۲) امام محمد طاہر الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ کلبی خود بے حد ضعیف ہے، لیکن اس کے ساتھ جب سدی بھی مل جائے تو پھر اس کی روایۃ سلسلۃ الکذب جھوٹ کا پلندہ ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۳) اور سدی کا نام محمد بن مروان ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے، اور بعض نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل ترک کر دیا ہے (حیرت ہے کہ امام احمدؒ بن حنبل جیسی نقاد حدیث شخصیت تو اس کی روایت کو ترک کرتی ہے مگر مولوی نعیم الدین صاحب اور انکی جماعت اسکی روایت سے قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیت کو رد کرنے کا ادھار کھائے بیٹھی ہے فواسفا) ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ جھوٹ اس کی روایت پر بالکل بین ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۳۲) جریرؒ ابن عبدالحمیدؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے۔ یعقوبؒ بن سفیانؒ اور صالحؒ بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، اور ثانی الذکر فرماتے ہیں کہ وہ خود جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ص ۴۳۶)

یہ ہیں وہ شیر جن کی روایات سے (جب کہ سند کی اوپر کی کڑیوں کا ذکر تک نہیں کیا) مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے لائق استاد اور پوری جماعت قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت آیت کو منسوخ قرار دے رہے ہیں (معاذ اللہ)

علمی دنیا میں اس سے بدترین جہالت یا خیانت اور کیا ہو سکتی ہے؟ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ مستزاد بریں یہ یاد رہے کہ لَا تَعْلَمُهُمْ خبر ہے اور نسخ کا وقوع اخبار میں ہوتا ہی نہیں تو پھر اس کے نسخ کا کیا مطلب؟ اور قرآن کریم کی نص قطعی کے مقابلہ میں اگر حدیث صحیح بھی ہو مگر ہو خبر واحد تو اس کا پیش کرنا بھی محض ہرزہ بافی ہے، تو بے سروپا اور جعلی روایتوں کو کون مانتا ہے۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار جاوسے استناد محض ہرزہ بافی (انباء المصطفیٰ ص۲) اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے (جاء الحق ص۱۰) مگر افسوس ہے اہل بدعت پر کہ وہ اپنے باطل عقائد اور بے بنیاد دعاوی کی خاطر خالص جعلی من گھڑت روایات۔ اور محض سینہ زوری سے قرآن پاک کی قطعی آیات اور متواتر درجہ کی صریح روایات کو منسوخ اور مخصوص ٹھہرانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور اُلٹا اہل حق کو کوستے اور بدنام کرتے ہیں کہ وہ ایسے اور ایسے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک و بدعت اور ہر قسم کی بدعقیدتی اور جرائم سے محفوظ رکھے، اور توحید و سنت کا دلدادہ بنا کر صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھے، اور اہل بدعت سے بچائے، کیونکہ ان کے باطل عقائد اور بے بنیاد نظریات سے اسلام کی مضبوط بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں، اور خود ان کی من بھاتی خواہشات دین بن چکی ہیں، اور وہ اُلٹا اہل حق کو کوستے ہیں کہ یہ دین کے خلاف ہیں (معاذ اللہ) ؎

میری نگاہِ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں
اپنی نگاہِ شوخ کی کچھ بھی خبر نہیں

دوازدہم یوں: فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الآیۃ کی تفسیر میں ص۲۰ ف ۲۳۵ میں لکھتے ہیں:۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوت

حرمت کے لیے حکم حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے۔ انتہیٰ۔

اور ص ۲۲۳ و ۲۲۴ کے تحت لکھا ہے کہ مسئلہ آیت (قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الآية) میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں سوائے ان کے جن پر شریعت میں دلیل حرمت قائم ہو کیونکہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے مگر جس پر شارع نے ممانعت فرمائی ہو اور اس کی حرمت دلیل مستقل سے ثابت ہو، انتہیٰ۔ اور اسی صفحہ میں ص ۴۶ میں لکھا ہے، اور کھانے پینے کی لذیذ چیزیں مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے، ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو۔ (خازن) تو جو لوگ توشہ گیارھویں، میلاد شریف، بزرگوں کی فاتحہ، عرس، مجالس شہادت، وغیرہ کی شرینی سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں وہ اس آیت کے خلاف کرکے گنہگار ہوتے ہیں، اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے، اور یہی بدعت و ضلالت ہے انتہیٰ۔

تنقید اہل بدعت اپنے حلوے مانڈے کے لیے آئے دن جو نئی نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں، ان پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل تو موجود نہیں بلکہ دلائل شرعیہ ان تمام اختراعات کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی اور وافی ہیں جب اہل بدعت ان اختراعات پر براہین سے قاصر رہے تو انہوں نے پہلوانوں کی طرح پینترا بدل کر اس مسلک کی تائید و اشاعت شروع کر دی کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل تو ہے ہی اباحت لہٰذا گیارھویں ہو یا توشہ، سبیل کا شربت ہو یا مجالس شہادت وغیرہ کے لذیذ کھانے یہ سب حلال ہیں اور عوام کو یہ باور کرا لینے کے لیے اس تحریر سے بھی کوئی گریز نہ کیا کہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے اور اس لیے ہم بھی ذرا وضاحت سے یہ بیان

کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے یہ تمام دعوے بے حقیقت اور صرف نمائشی ہیں اوّلاً اس لیے کہ اس میں خاصا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یا حرمت یا توقف؟ بصرہ کے معتزلہ اور بہت سے شوافعؒ اور احناف کا یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، بغداد کے معتزلہ اور بعض احنافؒ و شوافعؒ یہ فرماتے ہیں کہ اصل حرمت ہے، اور بعض احناف جن میں امام ابو منصور ماتریدیؒ اور صاحب ہدایہ بھی ہیں) اور عام محدثین کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے اور اشاعرہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ (التیسیر شرح تحریر طبع مصر ص۱۶۷ و نحوہ فی تسہیل الوصول ص۲۰۵ طبع ملتان) اور تعلیقات شرح منار میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے، اور حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت اور کوفیوں کا جن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے (بحوالہ الجنۃ ص۱۶۵) اور ملا جیونؒ فرماتے ہیں کہ ایک طائفہ یہ کہتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

بخلاف الجمهور، فان عندهم الاصل هو الحرمة اھ (تفسیر احمدی ص۱۱)	لیکن جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔

بلکہ صاحب درمختار نے یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

الصحيح من مذهب اهل السنة ان الاصل فی الاشياء التوقف والاباحة رائ المعتزلة اھ	اہل السنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت معتزلہ کا قول اور رائے ہے۔

(درمختار جلد ۱ ص۳۲۵)

ان تمام حوالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اشیاء کی اباحت پر نہ تو سب کا اتفاق ہے اور نہ یہ مقررہ اور مسلّمہ قاعدہ ہے یہ مولوی نعیم الدین صاحب کی بدعات کی ترویج و اشاعت کیلئے محض اختراع ہے کہ وہ اس کو مقررہ اور مسلّمہ قاعدہ کہتے ہیں۔

الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے اور جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں اور اباحت معتزلہ کا قول ہے۔ وثانیاً اشیاء کی اباحت اور حرمت وغیرہ کا یہ اختلاف ورود شرع کے بعد سے متعلق نہیں بلکہ قبل سے ہے یعنی زمانۂ فترت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب کہ اصل شریعت حقہ مسٹ چکی تھی، اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے تو اس دور کے بارے علماء کا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت تھی یا حرمت یا توقف؟ چنانچہ حافظ ابن ہمامؒ (التحریر صـ۲۲۵ طبع مصر میں) اور علامہ عبد العلی بحر العلومؒ نے (فواتح الرحموت ج۱ صـ۴۹ و صـ۴۹ و صـ۵ طبع مصر میں) اس کی تصریح کی ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب الکشف (جلد ۲ صـ۹۵ طبع مصر) میں بھی اس کی صراحت ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے بعد اباحت وغیرہ کے اس مختلف فیہا قاعدہ سے استدلال کرنا خالص جہالت اور نری خیانت ہے، اب تو ایک ایک بات میں دلائل شرعیہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی طرف مراجعت کرنا ضروری ہے کسی کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ اباحت کے مفروض قاعدہ سے استدلال کر کے احکام شرعیہ کی مدار اس پر رکھے اور نہ اس کو کوئی ماننے کے لیے تیار ہے۔ اس کی محقق اور قدرے تفصیل کے ساتھ بحث "راہ سنت" اور "باب جنت" میں ملاحظہ کریں۔ وثالثاً مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ وہی چیزیں حرام ہیں جن پر دلیل حرمت قائم ہو بجا ہے مگر یہ بھی ملحوظ ہے کہ جن امور کی اباحت کا دعوے کیا جائے گا ان کی اباحت پر بھی دلیل شرعی درکار ہے، نرے لفظوں کی شعبدہ بازی سے اباحت بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ ورود شرع کے بعد مباح کے بارے یہ نظریہ اور خیال رکھنا کہ وہ بلا کسی شرعی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اباحتِ اصلیہ اس کے لیے سہارا اور ٹیک ہے، نری خام خیالی اور شیخ چلی کا پلاؤ ہے علماء اسلام

نے اس کی تصریح کی ہے کہ مباح کے اثبات کے لیے بھی دلیل شرعی درکار ہے چنانچہ مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاری الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

الاباحة حکم شرعی لانه خطاب الشرع تخییرًا۔ (مسلم الثبوت ص۲۵)

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اور ملا مبینؒ فرماتے ہیں کہ :۔

وحد المباح ما اذن الشارع بالتخییر بین فعله وترکه ۔

اور مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس کے کرنے اور نہ کرنے کا شارع نے اختیار دیا ہو۔

اور علامہ ابن رشد المالکیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ومخیر فیه وهو المباح کہ جس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو وہ مباح ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۲)

اور امام محمدؒ بن محمدؒ الغزالی فرماتے ہیں :۔

وحد المباح انه الذی ورد الاذن من الله تعالیٰ بفعله وترکه غیر مقرون بذم فاعله ومدحه ولا بذم تارکه ومدحه ۔ (المستصفیٰ جلد ۱ ص۶۶ طبع مصر)

مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کرنے اور چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہو بایں طور کہ نہ تو اس کے کرنے والے کی مذمت اور تعریف ہو اور نہ ترک کرنے والے کی مذمت اور تعریف ہو۔

ان واضح عبارات سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ مباح بھی ایک شرعی حکم ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت اور اذن درکار ہے، عام اس سے کہ قرآن مجید کے ذریعہ اس کی اجازت ثابت ہو یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کی وساطت سے یا اجماع وغیرہ سے غرضیکہ بلا دلیل

شرعی کے صرف اباحت کی آڑ لے کر اپنی طرف سے دلرباخوشنما اور جالب نظر چیزیں ایجاد کر کے ان کو مباح قرار دے کر بار ثبوت سے اپنے کو سبکدوش کر دینا کوئی قابل توجہ امر نہیں اور نہ علمی دنیا میں اس کو کوئی سننے اور ماننے کے لیے تیار ہے ہر بات اور ہر امر کی دلیل درکار ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ :-

ان اثبات کل حکم شرعی یستدعی دلیلا اھ	ہر حکم شرعی کے اثبات کے لیے دلیل درکار ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷)

اور یہی سودا اہلِ بدعت کے لیے بڑا مہنگا ہے ورائج گیارھویں، میلاد، تیجہ اور ساتواں کے بارے میں باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ اگر خیر القرون میں یہ امور ہوتے ہیں تو صحیح و صریح حوالہ درکار ہے چشم ما روشن دلِ ماشاد اور اگر یہ امور اس مبارک دور میں ثابت نہیں تو ان بدعات کو مباح قرار دینا اور قرآن کریم کی آیات سے ان کو کشید کرنا نہ صرف یہ کہ گمراہی اور گناہ ہے بلکہ تحریف قرآن بھی ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے۔ پ ۹ ص ۲۵۳ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے (ترجمہ از مولوی احمد رضا خان صاحب) اس کی تفسیر میں مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں

حضرت مترجم قدس سرہٗ نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور بُرائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو جو ذاتی قدرت رکھے، اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے اس کے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور بُرائی نہ پہنچنے دیتا، بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور بُرائیوں سے تنگی و تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد

سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مؤمن کر لینا ہو اور برائی سے بدبخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اے منافقین و کافرین تمہیں سب کو مؤمن کر ڈالتا اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔ انتہیٰ۔

تنقید اس عبارت میں اصولی طور پر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک علم غیب ذاتی کی نفی (چونکہ اس کی بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے، اس لیے اس مقام پر ہم اس کا تذکرہ نہیں کرتے) اور دوسری چیز ہے قدرت ذاتی کی نفی اور اس کی قدرے وضاحت ہم بیان کرتے ہیں، مزید تفصیل گلدستۂ توحید، دل کا سرور اور راہِ ہدایت میں ملاحظہ کریں۔

اہلِ بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی اور تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے آپ تمام جہان میں تصرف کرنے، رزق تقسیم کرنے اور نفع و ضرر دینے کے مجاز ہیں (معاذ اللہ) اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عیسائیت کی ہو بہو نقل و تقلید ہے اور توحید پر کاری ضرب ہے، جب اہل حق کی طرف سے قرآن و حدیث کے روشن دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو دوسروں کے بارے نفع و ضرر کا اختیار حاصل تھا، اور نہ خود اپنی ذات بابرکات کے لیے جن میں ایک دلیل یہی قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ الآیۃ ہے تو اس سے گلو خلاصی کے لیے جناب خان صاحب بریلی اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب وغیرہ نے یہ طریق اختراع اور اختیار کیا ہے کہ آیت کا معنیٰ یوں کر ڈالے کہ میں از خود اختیار نہیں رکھتا اور میں ذاتی قدرت نہیں رکھتا گویا لفظ خود اور ذاتی کی قید اپنی طرف سے لگا کر آیت کے قطعی معنی کے جواب سے عہدہ برا ہونا چاہتے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کی اس تحریف کو کون

قبول کرتا ہے؟ اور یہ اختراع چند وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔ اولاً کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت ذاتی تھی؟ اگر ذاتی تھی تو کس دلیل سے؟ اور اگر عطائی تھی (اور یقیناً عطائی ہی تھی) تو کیا آپ نے اس عطائی نبوّت اور رسالت سے خود کوئی فائدہ اٹھایا یا نہیں؟ اور کیا حضرات صحابہ کرام اور دیگر امّت نے اس عطائی نبوّت اور رسالت سے کوئی فائدہ حاصل کیا ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے خود بھی فائدہ اٹھایا ہے اور امّتِ مرحومہ نے بھی فائدہ حاصل کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ جب نبوّت اور رسالت ذاتی نہیں تو اس سے فائدہ کیونکر پہنچا؟ اور کیا حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی قدرت ذاتی تھی یا عطائی؟ اگر ذاتی تھی تو کس دلیل سے ہے؟ اور اگر عطائی تھی تو انہوں نے بھلائی کیسے جمع کر لی اور برائی سے کیونکر بچ گئے؟ کیونکہ خان صاحب بریلی اور ان کے شاگرد رشید کا نظریہ تو یہ ہے کہ قدرت ذاتی ہو تو تب بھلائی جمع کی جا سکتی ہے اور برائی سے بچا جا سکتا ہے تو اسی طرح نبوّت و رسالت بھی ذاتی ہو تو تب فائدہ ہو سکتا ہے عطائی نبوّت اور رسالت سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ (معاذاللہ) وثانیاً بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب راحتیں کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ کرنا ہی مراد ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ نبوّت میں کبھی کوئی راحت نہیں پہنچی؟ اگر پہنچی ہے تو کسب اور فعلِ اختیاری کے طور پر اس میں آپ کا بھی کوئی دخل تھا یا نہیں؟ اگر تھا اور یقیناً تھا تو دیگر اُمور کو چھوڑیئے صرف اسی پر نگاہ کر لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز روزہ، حج عمرہ اور جملہ کار خیر کر کے جو راحتیں حاصل ہوتی تھیں ان کے لیے آپ کو ذاتی قدرت حاصل تھی یا عطائی؟ اور کیا عطائی قدرت سے یہ سارے کام ادا نہیں ہوتے رہے؟ اور علاوہ ازیں آپ نے متعدد ازواج مطہراتؓ سے اور خصوصاً حضرت عائشہؓ سے جو نکاح کیا ہے اس میں بھی آپ کے لیے کوئی راحت تھی یا نہیں؟

اگر راحت تھی تو جب آپ کو قدرت ذاتی نہ تھی تو یہ راحت کہاں سے آگئی ؟ اور کیا جنگ بدر، غزوۂ خیبر اور فتح مکہ اور جہاد حنین وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور آپ کی حُسنِ تدبیر سے کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں یا نہیں؟ اور کیا ان میں دشمنوں پر غلبہ ہوا تھا یا نہیں ؟ اگر یہ سب کچھ حاصل ہوا تھا اور قطعاً حاصل ہوا تھا تو کیا اِن مواقع پر آپ کو ذاتی قدرت حاصل تھی ؟ یا جو قدرت اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، اُسی سے یہ جملہ کارروائیاں انجام پذیر ہوئی تھیں ؟ الغرض جو افعال بندے کے اختیار اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اس کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہو وہی بس ہوتی ہے، اس میں ذاتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس کی نفی کی ضرورت پیش آتی ہے اور جو افعال بندے کے کسب و اختیار سے تعلق نہیں رکھتے اُن میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اختیارات اس کو مفوّض ہوتے ہیں، موت و حیات بیماری و تندرستی وغیرہ بے شمار اور ان گنت امور ایسے ہیں جن میں بجز پروردگار کے کسی کو کوئی اختیار اور تصرف حاصل نہیں اور قُلْ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ الآیۃ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس چیز کا اعلان کروایا جا رہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تو صاف کہہ دے کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں بدیگراں چہ رسد ثالثاً عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیارات مرحمت ہوئے ہیں، کیا بریلوی حضرات کے نزدیک یہ نظریہ ٹھیک ہے ؟ اگر ٹھیک ہے تو ان کے ساتھ اس جزو میں اختلاف کیوں کیا جاتا ہے، پھر تو تمہارے خیال کے مطابق اسلام اور عیسائیت اس حصہ میں دونوں ایک ہوئے ؟ اور اگر اس جزو کی مخالفت درست اور صحیح ہے تو کس دلیل سے ؟ اور کیوں ؟ بات صاف ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عطائی کا نظریہ ہی عیسائیوں سے ماخوذ ہے جو پادریوں کی کار استانیوں سے انجیل کی زینت بنا ہوا ہے۔ انجیل کا حوالہ ملحوظ ہے۔

"میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا" (انجیل متی، باب ۱۱ آیت ۲۷)

اور دوسرے مقام پر ہے کہ:۔

"یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا ہے" (انجیل متی، باب ۲۸، آیت ۱۹)

اگر انجیل کے اس نظریہ کے تحت عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لیے عطائی اختیارات تسلیم کرنے کے باوجود مشرک قرار پاتے ہیں تو ان جیسا نظریہ اگر کسی اور کا ہو تو وہ بھلا کیونکر شرک سے بچ جائے گا؟ غالباً مولانا حالی نے اسی کا رونا رویا ہے کہ ؂

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں ۔۔۔۔۔ پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

واربعاً احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوّض نہ ہونے کی با حوالہ بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے جب احکام جن کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، آپ کو مفوّض نہیں تو نفع اور ضرر اور امورِ تکوینی کی تفویض اور عطا کہاں سے اور کیسی؟ یہ تمام اہل بدعت کی خانہ ساز ایجاد ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک سے محفوظ رکھے جس کا نتیجہ خلود فی النار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ وخامساً اگر بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب سرکشوں کا مطیع۔ نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کو مومن کرنا مراد ہو تو اس میں بھی ذاتی کی قید بالکل سینہ زوری ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عطائی نبوت اور عطائی رسالت کی بدولت بھی باذن اللہ تعالیٰ بہت سے نافرمانوں کو فرمانبردار اور کافروں کو مومن اور سرکشوں کو مطیع بنایا۔ اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی خانہ ساز منطق کا خیال ملحوظ رکھا جائے تو کسی کافر اور کسی مشرک کو کبھی ہدایت نہ ہوتی کیونکہ آپ کی نبوت اور رسالت ہی عطائی تھی، ذاتی ہوتی تو اس منطق کے رُو سے فائدہ ہوتا، مگر بحمداللہ اہل اسلام اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ آپ کی عطائی نبوت

اور رسالت کی بدولت ہی دنیا توحید و سنت سے جگمگا اُٹھی تو اس بھلائی کے لیے بھی تو ذاتی کی قید موقوف علیہ نہ ٹھہری جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے سمجھ رکھا ہے۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن کریم کے مشتے نمونہ از خروارے چند نمونے اور مولوی نعیم الدین صاحب کی تفسیر اور قرآنی خدمت کی باحوالہ چند مثالیں تو آپ نے دیکھ لی ہیں، انہی سے ان کے باقی ترجمہ کا اندازہ بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے، بقول شخصے ع

جس کی بہار یہ ہو سو اس کی خزاں نہ پوچھ

سردست عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہم انہی صفحات پر اکتفا کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی اور ضرورت محسوس ہوئی تو بقیہ ترجمہ اور تفسیر کا جائزہ بھی ان شاء اللہ العزیز کسی فرصت کے موقعہ پر لیا جائے گا اور یہ واضح کیا جائے گا کہ اہل بدعت نصوص کی پیروی کرنے کے بجائے نصوص کو اپنے تابع بنانے کے درپے ہوتے ہیں کہ ان کی خواہشات تو اپنے مقام پر رہتی ہیں مگر نصوص کو کھینچ تان کر وہ اپنے مرغوبات پر فٹ کر دیتے ہیں جیسے بدعات کی ایجاد میں یہ لوگ ماہر اور حاذق ہیں اسی طرح اختراعی دلائل سازی میں بھی اپنی نظیر آپ ہیں بڑی متانت سے وہ آپ کو اٰیت ''اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا'' سے گیارہویں شریف اور ''اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً'' سے چالیسواں اور ''مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ'' سے سالانہ عرس کا ثبوت فراہم کر دیں گے سیلِ رواں کی طرح ان کی بدعات کہیں نہیں رکتیں اور جہاں گشت سیاح مسافر کی طرح ان کے اختراعی دلائل کہیں نہیں ٹکتے۔ بقول شاعر ؎

فضائے گنج چمن میں ہمیں ملا نہ قرار ۔۔۔ مسافروں کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور اہل حق کے ساتھ وابستہ رکھے انہیں کے ساتھ

جئیں انہیں کے ساتھ مریں اور انہیں کے ساتھ حشر ہو، آمین ثم آمین۔

قرآن وحدیث سے استدلال کرنے کا ضابطہ:۔

عوام الناس کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے کہ جو بھی اسلامی یا منسوب بہ اسلام فرقہ اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتا ہے، تو وہ قرآن وحدیث ہی کا نام لیتا اور اپنے استدلال میں قرآن وحدیث ہی کو پیش کرتا ہے، اب ہم کس کو صحیح اور کس کو غلط اور کس کو حق پر اور کس کو باطل پر سمجھیں؛ واقعی یہ شبہ اکثر لوگوں کے مغالطہ کے لیے کافی ہے لیکن اگر انصاف خداخوفی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے کہ آخر یہی قرآن وحدیث حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ائمہ دین وبزرگان صالحینؒ کے سامنے بھی تھے ان کا جو مطلب ومعنیٰ اور جو تفسیر ومراد انہوں نے سمجھی وہی حق اور صواب ہے باقی سب غلط اور باطل ہے، پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے یہ سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو، آیا یہ سلف صالحینؒ سے ثابت ہے؟ اگر ہے تو صحیح و صریح حوالہ بتاؤ چشم مار وشن دلِ ماشاد، ورنہ یہ مراد جو تم بیان کرتے ہو، اس قابل ہے کہ اُسے لے اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!

عوام اس قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر اور کسی طرف نہ جائیں پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ اور قرآن وحدیث کی مراد کون سی صحیح ہے؟ اگر وہ ایسا نہ کریں گے اور اس میں کوتاہی کریں گے تو ضروریات دین میں غلطی کی وجہ سے کبھی عند اللہ سرخرو نہیں ہو سکیں گے اور اپنی طاقت اور وسعت صرف نہ کرنے کی وجہ سے جو گناہ قرآن وحدیث کی تحریف کرنے والوں کو ملے گا اس میں ماننے والے بھی برابر کے شریک ہوں گے اس ضابطہ کے لیے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں تاکہ پوری حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

(۱) خلیفۂ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ (المتوفیٰ ۱۰۱ھ) کے سامنے منکرین تقدیر نے جب یہ دلیل پیش کی کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے تقدیر کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لیے تقدیر کا عقیدہ نہ ضروری ہے اور نہ ثابت بلکہ اس کا انکار ہی قرآن کریم کی بعض آیات کے موافق ہے تو ان اس بے بنیاد شبہ کو دُور کرنے کی غرض سے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ

لقد قرءوا منه ما قرأتم وعلموا من تاویله ما جهلتم وقالوا بعد ذٰلك كله بكتاب وقدر۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۸)

یعنی حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین وغیرہم نے قرآن کریم کی یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں جو تم نے پڑھی ہیں لیکن وہ ان کی مُراد کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے اور انہوں نے یہ سب آیات پڑھ کر تقدیر کا اقرار کیا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جن آیات سے تم نے تقدیر کے انکار کا مفہوم سمجھا ہے، یہی آیات حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے سامنے بھی تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان آیات کا وہ مطلب نہ سمجھ سکے جو تم نے سمجھ رکھا ہے، یہ کیونکر تسلیم کیا جائے کہ تم حق پر ہو اور معاذ اللہ باطل پر تھے یعنی حق صرف انہی حضرات کے ساتھ ہے اور تم سراسر غلط کار ہو اور یہ فہم تمہارے لیے باعث وبال جان ہوگی۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

سعادت آثارا! آنچہ بر ما و شما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب و سنت است برنہجیکہ علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم از کتاب و سنت آں عقائد را فہمیدہ اند و از آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما و شما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگان

اے نیک بخت! جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے، وہ کتاب و سنت کے مطابق عقیدوں کو درست کرنا ہے اس طریقہ پر جس پر علمائے اہل حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو بار آور کرے) کتاب و سنت سے ان عقائد کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا

نباشد زیرا کہ ہر متبدع وضال احکام باطلۂ خود را از کتاب وسنت می فہمد و ازاں جا اخذ مینماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئًا۔ (مکتوبات مکتوب ۱۵۷)	سمجھنا جب کہ ان کی سمجھ کے موافق نہ ہو درجۂ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ ہر مبتدع اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت سے سمجھتا ہے اور انہی سے لیتا ہے حالانکہ اس کا سمجھنا حق کی کسی چیز سے کفایت نہیں کر سکتا۔

یہ عبارات اپنے مدلول میں بالکل روشن ہیں ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

احقر الناس

ابو الزاہد محمد سرفراز خاں خطیب جامع گکھڑ

و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم کی کتابوں پر غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا مجذوبانہ واویلا

مجذوبانہ واویلا

پر غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کے

اعتراضات کے جوابات

تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے

بجواب

آئینہ انکو دکھایا تو برا مان گئے

از قلم: مولانا حافظ عبد القدوس قارن

امام اعظم امام ابوحنیفہ پر بے بنیاد اعتراضات کے جواب میں

علامہ کوثری مصری کی کتاب تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ

امام ابوحنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

عمر اکاڈمی نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ